جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ
ترجمان القرآن

۱۹۹۳

مدیر: خرم مراد

ادارۂ ترجمان القرآن

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جلد ۲۰ | جنوری ۱۹۹۴ رجب المرجب ۱۴۱۴ | عدد ۱

فہرست مضامین

برائے ادارتی امور: منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰، فون نمبر ۸-۷۵۷۰۳۴۴، فیکس (۰۴۲) ۷۵۷۴۷۱۹

برائے انتظامی امور: رحمان مارکیٹ، اردو بازار، لاہور ۵۴۰۰۰، فون نمبر ۷۲۳۴۰۱۴-۷۲۳۶۶۶۵

پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ مینجر ترجمان القرآن لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔ کراس چیکس قابل وصول نہ ہوں گے۔

قیمت فی شمارہ -/۱۰ روپے ○ زر سالانہ: ۱۰۰ روپے (اندرون ملک)

عرب ممالک، خلیجی امارات و برصغیر: ۳۵۰ روپے یورپ: ۴۵۰ روپے امریکہ و آسٹریلیا: ۵۵۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز، لاہور سے چھپوا کر دفتر، ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور سے شائع کیا۔

اِدارۂ ترجمانُ القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ اچھرہ لاہور (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

عالم کا مستقبل آج اسلام کا ہے!

اگر کل یہ ایک خواب تھا' تو آج یہ بات عیاں ہے کہ اس خواب کے حقیقت بن جانے کی گھڑی بہت قریب آگئی ہے۔ کب؟ اس کا علم تو اسی وحدہٗ لاشریک کے پاس ہے جس کے دستِ قدرت میں آسمان سے زمین تک ہر امر کی باگ ہے۔ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ۔ لیکن جس کی نگاہیں تاریخ کے باطن میں جھانک سکتی ہیں' اور جو نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج آشنا ہے' وہ جانتا ہے کہ یہ گھڑی ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ "آسمان اور زمین اس سے بوجھل ہیں (الاعراف ۷:۱۸۷)" کا مصداق بن چکی ہے۔

اس لیے کہ یہ نبوتِ محمدیؐ کا ناگزیر تقاضا ہے' اور اس کا ظہور پذیر ہونا اٹل ہے۔ حضورؐ جمیع انسانوں کی طرف' سارے عالموں کے لیے' اور رہتی دنیا تک کے لیے رسول' نذیر اور رحمت ہیں۔ اور "اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔" وقت لگ سکتا ہے' نوشتہ الٰہی ٹل نہیں سکتا۔

اس لیے بھی کہ نبوتِ محمدیؐ کا مشن روزِ اول ہی سے عالمی انقلاب کی منزل رہا ہے۔ آمنہؓ کے پیٹ سے نور کا نکلنا ہو جس نے ارضِ شام کو روشن کردیا' یا ولادتِ نبویؐ کے وقت کسریٰ کے محل کا زمیں بوس ہونا' ہجرت کے پُرخطر سفر کی بے سروسامانی کے عالم میں سراقہ کو کسریٰ کے

کنگنوں کی بشارت ہو' یا غزوۂ احزاب کے لیے خندق کھودتے ہوئے روم و ایران اور شام و یمن کی فتوحات کی نوید' شاہانِ عالم کی طرف قبولِ اسلام کے دعوت نامے ہوں' یا سلطنت روما سے جنگ کے لیے تبوک کا سفر ــــ یہ سب اسی مشن کی آرزو' جستجو اور تکمیل کے مظاہر ہیں۔

اس لیے بھی کہ' حضورؐ کے بعد' آپؐ کے مشن کی امانت آپؐ کی اُمت کے سپرد ہے۔ اسی لیے اس اُمت کو اپنے لیے نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لیے بنایا گیا ہے (اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ)' بہترین امت (خَيْرَ اُمَّةٍ) قرار دیا گیا ہے۔ رسولؐ کے بعد' رسولؐ کی طرح' انسانوں کے سامنے گواہ بنایا گیا ہے (لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ)' اور اللہ کی خاطر قسط و عدل قائم کرنے (قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ)' اور اس پر گواہ بننے (شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ) کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا عصرِ حاضر میں کارِ رسالت' اُمتِ مسلمہ کے ہاتھوں ہی انجام پانا ہے۔ وہ لوگ انجام دیں جن پر آج امت مشتمل ہے' یا اللہ تعالیٰ امت میں نیا خون داخل کرے' اور ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے' یہ کام بہرحال انجام پانا ہے۔

ادھر خود عصرِ حاضر کی روح مضطرب اور بے تاب ہے کہ شرعِ پیغمبرؐ آشکارا اور غالب ہو۔ مغرب نے انسان کی بلوغت اور خودمختاری کا اعلان کیا' اس کو کسی بھی بالاتر' اور بالخصوص خدائی ہدایت سے مستغنی قرار دیا' خدا کو پبلک زندگی سے بے دخل کیا ــــ گویا انسان کو انسان کا خدا بنایا ــــ اور بڑی محنت سے ایک نیا عالم تشکیل دیا۔ لیکن دو صدیاں بھی نہیں گزرنے پائی ہیں کہ آج وہ عالمِ پیر مررہا ہے' اور انسان بے چینی سے ایک جہانِ نو کی پیدائش کا انتظار کررہا ہے۔

خدا سے مستغنی ہو جانے کے بعد' انسان نے اپنے دل و زندگی کو اور خدا کی زمین کو فساد اور خوں ریزی سے بھر دیا ہے۔ روز نت نئی خواہشات کی طلب ہے' ہر طلب میں روز بروز اضافہ ہے' ہر چیز زیادہ سے زیادہ چاہیے' اور جو کچھ چاہیے وہ جلد از جلد ملنا چاہیے۔ انسان ہوں یا ٹیکنالوجی' زمین ہو یا کائنات' ہر چیز صرف خواہشات پوری کرنے کا ذریعہ بن گئی ہے۔ ہر سینہ میں لالچ و حسد کی آگ جل رہی ہے۔ خدا کو بھول کر انسان خود اپنی بھلائی سے غافل ہوگیا ہے۔

زمین کے فاصلے سکڑتے جارہے ہیں' مگر انسانوں کے درمیان نفرت اور لاتعلقی کی ناقابلِ عبور خلیجیں بڑھتی جارہی ہیں۔ یہ صدی انسانی تاریخ کی سب سے زیادہ خونی صدی ہے۔ پہلی جنگِ عظیم میں ۸۴ لاکھ' دوسری میں ۶ کروڑ' کوریا اور ویت نام جیسی مقامی جنگوں' انسانی جبرواستبداد کے ہاتھوں اور رنگ و نسل کے خداؤں کی خاطر' ان سے بھی کہیں زیادہ انسان موت کے گھاٹ اتارے گئے ہیں' اور ان سے کئی گنا زیادہ تعداد اپاہج بنائی گئی ہے۔

انسان تاریخ میں پہلی دفعہ ایسے ہتھیاروں سے لیس ہے کہ ایک بٹن دبا کر پوری نسلِ انسانی کو چشم زدن میں ہلاک کر سکتا ہے۔ خاندانی زندگی اس طرح ٹوٹ پھوٹ گئی ہے کہ صرف انگلینڈ میں ایک تہائی بچے شادی کے بغیر ناجائز پیدا ہو رہے ہیں' ۲۰ فیصد بچوں کا خاندانوں میں کوئی باپ نہیں ہے' آدھی عورتیں شادی سے پہلے اپنے شوہروں سے جنسی تعلقات قائم کر چکی ہوتی ہیں' ہر دوسری شادی کا انجام طلاق ہوتا ہے۔ بچوں اور نوجوانوں میں سنگین جرائم میں روزبروز اضافہ ہو رہا ہے۔ بینکنگ کا نظام' جس کے بَل پر معاشی ترقی قائم ہے' ایک بلبلے کی طرح ہے: آج جس بینک کے دروازے پر بھی سارے کھاتے دار اپنی رقم واپس مانگنے پہنچ جائیں' اس بینک کا دیوالیہ نکل جائے گا۔ بظاہر انتہائی محکم نظاموں میں بھی' سیاسی لیڈروں سے ایک عام مایوسی اور بداعتمادی پیدا ہو چکی ہے۔ اپنی خواہشات کی بے لگام تکمیل کی دھن میں دنیا کے ماحول کو ایسا زبردست نقصان پہنچ رہا ہے جو عین ممکن ہے ناقابلِ تلافی اور تباہ کن ثابت ہو۔

دورِ جدید کے انسان کے اوپر ایسے بے شمار مسائل کا اتنا بھاری بوجھ ہے کہ کوئی تنکا بھی اس کی کمر توڑ سکتا ہے۔ ان مسائل کی جڑ خدا بیزار تہذیب ہے' اور انسانی زندگی میں جب خدا کا خانہ خالی ہوتا ہے تو اس میں بے شمار جھوٹے خدا براجمان ہو جاتے ہیں۔ پہلے یہ جھوٹے خدا بھی مافوق الانسانی صفات کے حامل سمجھے جاتے تھے' اور خدائے واحد کی قربت کا ذریعہ بھی۔ اب انسان نے اتفاق (chance)' قانونِ قدرت' ذرائع پیداوار' جنس' سوسائٹی' کلچر' ٹیکنالوجی' نسل' رنگ' قوم' اور وطن جیسے بہرے' گونگے' بے جان بتانِ نَو کو اپنے مقدر کا مالک سمجھ لیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز وہ تباہی کے گہرے سے گہرے گڑھے میں گرتا جا رہا ہے۔ اس سے نجات کی راہ صرف خدائے واحد ہی کو خدا اور رب بنانے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اسی سے وحدتِ انسان اور امن و سلامتی کی نعمتیں اس کو نصیب ہوں گی۔ اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ اب غلبۂ اسلام کے بغیر عالم کا کوئی مستقبل نہیں۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ خود مغرب' جو اس دورِ جدید کا معمار ہے' اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کا دور اب عالمِ پیر بن کر موت کے کنارے پہنچ چکا ہے' اور انسانیت ایک جہانِ نو کی تعمیر کے بغیر بچ نہیں سکتی۔ بڑے زور و شور سے "نیو ورلڈ آرڈر" کا نعرہ' مغرب کے اس اعتراف کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے۔

۱۱ ستمبر' ۱۹۹۰ کو امریکی کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے امریکی صدر جارج بش نے کہا تھا: "ہم آج ایک منفرد اور غیر معمولی تاریخی لمحے کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ خلیج کا بحران بلاشبہ بہت خطرناک

اور گمبھیر بحران ہے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک نادر موقع بھی فراہم کررہا ہے... ان آفت زدہ ایّام کے غبار سے ہمارا پانچواں مقصد برآمد ہوسکتا ہے ــــ یعنی ایک نیا عالمی نظام..."
اور ۶ مارچ ' ۱۹۹۱ کو خلیجی جنگ میں کامیابی کے فوراً بعد انھوں نے دعویٰ کیا کہ "اب ہم ایک نئی دنیا کو اپنی آنکھوں کے سامنے ابھرتا دیکھ رہے ہیں۔" اگست ۱۹۹۰ سے مارچ ۱۹۹۱ تک' صدر بش نے ۴۲ بار اپنے بیانوں اور تقریروں میں پورے زوروشور سے اس جہانِ نو کی تعمیر کو مستقبل کی امریکی پالیسی کی اساس قرار دیا۔

مغرب اس نئی دنیا کی تعبیر بڑے خوش نما الفاظ میں کررہا ہے۔ صدر بش کے الفاظ میں: "ایک ایسا نیا دَور' جو طاقت کے استعمال کے خطرات سے پاک ہو' جو انصاف کے قیام کے لیے قوی اور توانا ہو' اور جس میں امن و سلامتی کا حصول زیادہ ممکن ہو۔" بظاہر تو مغربی لیڈر اور دانشور کہتے ہیں کہ یہ نئی دنیا اس لیے ناگزیر ہوگئی ہے کہ یورپ نے اقوامِ عالم کے درمیان تعلقات کا جو نظام بنایا تھا وہ ٹوٹ پھوٹ چکا ہے' نظریاتی کشمکش بھی ختم ہوچکی ہے' قومی ریاست بھی مائل بہ زوال ہے' کمیونزم بھی شکست کھا چکا ہے' نیوکلیئر اسلحہ اور عسکری طاقت کے استعمال کا رجحان بڑھ رہا ہے' اور اس طرح امنِ عالم مسلسل تہ و بالا ہونے کے خطرے کی زد میں ہے۔

لیکن مغرب خوب جانتا ہے کہ اصل بات یہ نہیں' بلکہ انسان جہانِ نو کا ضرورت مند اس لیے ہے کہ مغرب کی بے خدا تہذیب اور اس کی عالمی قیادت اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہے' اور اس کی کوکھ سے اب انسان کے لیے دکھ و الم اور تباہی کے علاوہ اور کچھ برآمد ہونے والا نہیں۔ اگر ۱۹۹۳ سے امنِ عالم بار بار تہ و بالا ہورہا ہے' تو وہ بھی اسی تہذیب کی وجہ سے۔ چنانچہ اب انسان کو امن و انصاف حاصل ہوسکتا ہے تو صرف ایک ایسی تہذیب ہی سے جو خدائے واحد کی بندگی پر قائم ہو۔ برطانوی ہفت روزہ "اکنامسٹ" کے الفاظ میں: "مستقبل میں اگر کوئی تاریخ ساز واقعہ رونما ہوگا' تو غالباً ان امور کے گرد جو غیب میں ہیں' اور جن کے علمبردار اسلامی بنیاد پرست ہیں۔" اس لیے جہانِ نو کی تعمیر و قیادت کے لیے اصل کشمکش مغرب اور اسلام کی اس خدا پرستانہ تہذیب کے درمیان ہوگی جو ہزار سال تک دنیا پر غالب رہی۔ اور تہذیبوں کے اس تصادم میں مغرب کی عالمی قیادت داؤ پر لگی ہوگی۔ ہمیں اتفاق ہے کہ مغرب کی لبرل ڈیموکریسی کی تاریخ ختم ہونے پر آگئی ہے' لیکن اب تاریخ کا ایک نیا دَور شروع ہوگا' جو اسلام کا دَور ہوگا۔

مغرب کے سیاستدان اور دانشور مستقبل کے پردے میں پنہاں اس تہذیبی تصادم کے امکان

سے خوب آگاہ ہیں' اور اس کے لیے پوری تیاری کر رہے ہیں۔

ایک طرف اس کا اظہار بعض دانشوروں کی حالیہ کتابوں اور مضامین کے انتہا پسند عنوانات سے ہوتا ہے: اسلام کی تلوار' اسلام کا خنجر' جارحیت پسند اسلام' اسلام کا غیظ و غضب' مسلمان آرہے ہیں' مسلمان آرہے ہیں' ساتویں صدی کے بعد اسلام پھر مارچ کررہا ہے' وغیرہ وغیرہ۔

دوسری طرف سیاستدانوں اور لکھنے والوں کے اعلانات ہیں۔ بکانن (Buchanan) لکھتا ہے: "ہزار سال تک' انسانیت کے مستقبل کے لیے کشمکش اسلام اور عیسائیت کے درمیان رہی ہے۔ اکیسویں صدی میں پھر یہی ہو سکتا ہے" (نیو ہمپ شائر سنڈے نیوز' ۲۰ اگست' ۱۹۸۹)۔ مرفی (Murphy) کے الفاظ میں: "سرد جنگ کے بعد' اگر مسلم دنیا تصادم کی نئی سرحد بنتی جارہی ہے' تو بات یہ نہیں کہ ان سے کسی جنگ یا دہشت گردی کا خطرہ ہے' بلکہ ان کا چیلنج کہیں زیادہ بنیادی ہے۔ وہ روز بروز بڑھتی ہوئی سماجی اور سیاسی قوت ہیں جو مغرب کے مسلّمہ تصوّرات پر حملہ آور ہیں: مثلاً ترقی کے معنی' خدا اور انسان کا تعلق' اور انسانی زندگی میں ٹیکنالوجی' صنعت کاری اور اخلاق کا مقام" (لاس اینجلز ٹائمز' ٦ اپریل' ۱۹۹۲)۔ مشہور یہودی مستشرق برنارڈ لیوس (Lewis) کی رائے میں: "یہ اب واضح ہونا چاہیے کہ ہمیں ایک ایسی تحریک اور روّیہ کا سامنا ہے' جو مسائل اور ان پر کاربند حکومتوں کے ساتھ اختلاف کی سطح سے آگے جاچکا ہے۔ اب تو تہذیبوں کے تصادم سے کم کوئی چیز سامنے نہیں! یہ ایک دیرینہ حریف کا تاریخی ردِّعمل ہے' ہمارے یہودی / عیسائی ماضی کے' ہمارے لادینی حال کے' اور دونوں کی عالمی توسیع کے خلاف" (ماہنامہ اٹلانٹک' اکتوبر ۱۹۹۱)۔

سیاست دان بھی کم صاف گو نہیں۔ سابق صدر' نکسن نے' ۱۹۸۵ میں' امریکی رسالے فارن افیئرز میں اپنے مضمون میں کہا تھا کہ روس اور امریکہ کو' اپنے تمام اختلافات کے باوجود' اسلامی بنیاد پرستی کا مقابلہ کرنے کے لیے باہمی تعاون کرنا چاہیے۔ سابق نائب صدر' ڈان کوئیل (Quayle) نے اسلامی بنیاد پرستی کے خطرے کو نازی ازم اور کمیونزم کے خطرے کے برابر قرار دیا۔ سابق صدر ریگن اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں:

> اسلامی بنیاد پرستی' جو لبرل سیکولر حکومتوں کی دشمن ہے' دراصل اسلامی نظام کی علمبردار ہے۔ . . . وہ اپنے پیروکاروں کو یہ سکھاتی ہے کہ وہ مخالف قوتوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے تو شہید ہوں گے' اور سیدھے باغ عدن میں جائیں گے۔ . . . اگر اسلامی بنیاد پرستی کو عروج نصیب ہوگیا تو دنیا صدیوں پرانی رجعت پسندی سے دوچار ہو جائے گی۔

خصوصاً اگر ایٹمی اور کیمیائی اسلحہ ان مشتعل مزاج عناصر کے ہاتھ لگ گیا' اور انھوں نے اسے اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنا سیکھ لیا۔

نئے عالمی نظام کی حسین تصویر کے پیچھے اس کے اصل خدوخال بھی کوئی ڈھکے چھپے نہیں۔

۱ - دنیا کے تمام ملکوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امریکہ دنیا کی واحد عالمی طاقت ہے۔ امریکہ کا یہ ہدف ہوگا کہ وہ اپنے اس مقام کو برقرار رکھے۔

۲ - مغرب کے لبرل ڈیموکریسی اور منڈی کی معیشت جیسے تہذیبی تصورات کی حتمی فتح کے بعد' تاریخ نے اپنی منزل پالی ہے۔ اب دنیا کے ہر ملک کو انھی کو اختیار کرنا ہوگا۔

۳ - اب کسی بھی ملک کو' خصوصاً کسی مسلمان ملک کو' یہ موقع نہیں ملنا چاہیے کہ وہ بالاتر سیاسی قوت کی حیثیت سے ابھر سکے۔

۴ - تیسری دنیا میں' خصوصاً خلیج فارس میں' امریکی مفادات کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جائے گا۔

۵ - پوری دنیا میں احیائے اسلام کی تحریکوں کی مخالفت کی جائے گی۔

کوئی تعجب نہیں کہ آنے والے دَور کا نام "امریکی صدی" American Century رکھا جارہا ہے۔ ایک برطانوی مقالہ نگار ڈیوڈ مارکوانڈ (Marquand) کے الفاظ میں: "جس نئے عالمی نظام کی دھوم ہے وہ صرف امریکی نظام Pan Americana ہی ہوتا نظر آرہا ہے" (گارجین' لندن)۔ اور ایک امریکن مقالہ نگار بڑی ڈھٹائی سے کہتا ہے: "اس نظام میں امریکہ کی حیثیت وہی ہوگی جو قرونِ وسطٰی کے جاگیردارانہ معاشرہ میں بادشاہ کی ہوتی تھی" (نیشنل ریویو)۔

بظاہر' امتِ مسلمہ اور مسلمان ملکوں کا ترقی یافتہ مغرب اور امریکہ سے کیا مقابلہ!

نہ عسکری قوت اور اسلحہ میں دونوں میں کوئی تناسب اور مقابلہ ہے' نہ دولت اور معیشت میں' نہ علم اور تحقیق میں' نہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں' نہ دنیا چلانے کی مہارت و صلاحیت میں۔ ہمارے اوپر ان کا غلبہ مکمل ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو وہ اٹھاتے بٹھاتے ہیں' ہماری فوجیں اسلحہ کے لیے "کُلّیتاً" ان کی دستِ نگر ہیں' ہماری حکومتیں اور ان کے معاشی ترقی کے پروگرام ان کے قرضوں سے چلتے ہیں۔ معاشی ترقی کے تصورات اور ماڈل' اور اس کو جانچنے کے پیمانے بھی' ہم نے ان سے قرض لیے ہیں۔ ہمارے بچے ان کی وضع کردہ تعلیم حاصل کرتے ہیں' بلکہ بکثرت انھی کی زبان میں کرتے ہیں۔ ہمارا میڈیا ان کی فراہم کردہ خبریں اور پروگرام نشر کرتا ہے۔ ہمارے ادارے' دستور' پارلیمنٹ' بینک' مارکیٹ' کارخانے' اسکول' یونیورسٹیاں' سب ان کے تصورات

اور نقشے کے مطابق بنے ہیں۔ یہاں تک کہ ہر جگہ ان کے کوکا کولا اور جین کا بھی غلبہ ہے۔

دوسری طرف ہم اندر سے بے انتہا کمزور ہیں۔ دل' مقصد' آرزو و جستجو' ذوقِ عمل اور نشاطِ کار سے خالی ہیں۔ اخلاق و کردار پست ہو چکے ہیں۔ امت کا جسد تفرقہ اور انتشار کا شکار ہے۔ سماجی بندھن ڈھیلے ہو رہے ہیں۔ رشوت اور بدعنوانی دیمک کی طرح چاٹ گئی ہے۔ اپنا سیاسی نظام چلانے سے' اور بحسن وخوبی اپنے ملک کا انتظام و انصرام کرنے سے عاجز ہیں۔ ہمارے حکمراں پیرِ تسمہ پا کی طرح ہماری گردنوں پر مسلط ہیں۔ نہ ہم ان کی گرفت سے اپنے کو چھڑا سکتے ہیں' نہ انھیں ہمارے علاوہ کوئی ملتا ہے جس کے اوپر وہ اپنا شوقِ فرمانروائی پورا کریں۔ عام مسلمان عزت و شرف کے تحفظ سے' بنیادی حقوق سے' امن و چین سے محروم ہیں۔ ان کو اللہ کی بخشی ہوئی صلاحیتیں ضائع جا رہی ہیں۔

دیکھنا ہو تو اپنے ملک عزیز پاکستان ہی کو دیکھ لیجیے۔ نصف صدی سے ہمیں سیاسی استحکام نصیب نہیں۔ سیاسی لیڈر بالعموم نہ صرف نااہل ہیں' بلکہ بکاؤ مال بھی۔ ہماری فوجیں دشمن کو فتح کرنے کے بجائے اپنے ملک ہی کو مفتوح بناتی رہتی ہیں۔ ملک کا بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے۔ جو بچہ پیدا ہوتا ہے ۸۷ ہزار روپے کا مقروض ہوتا ہے' اور ملک کا ۴۲ فیصد بجٹ سود اور اصل چکانے کی نذر ہو جاتا ہے۔ فوج اور انتظامیہ کو ۳۶ اور ۱۱ فیصد دینے کے بعد' صرف ۱۱ فیصد رقم قوم کی فلاح و بہبود کے لیے بچتی ہے۔ نظامِ تعلیم نے قوم کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ دفتروں میں' اور عدالتوں میں عوام کے معاملات اس زبان میں نپٹائے جاتے ہیں جس کو وہ سمجھ ہی نہیں سکتے۔

تیسری طرف امریکہ ہماری رہی سہی قوت کو ختم کرنے کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں تیزی سے مشغول ہے۔ مشرق وسطی کا بندوبست وہ کر چکا ہے۔ کیمپ ڈیوڈ کے ذریعہ مصر کا بندوبست کیا' ایران / عراق جنگ سے ایران کو کنارے لگایا' عراق کو کویت سے لڑایا' اسی بہانے سعودی عرب اور کویت کی دولت کو اپنے پاس رہن کرلیا' (خلیجی جنگ میں عربوں کے اخراجات کا اندازہ ۶۵۰ ارب ڈالر ہے)' یاسر عرفات کو اسرائیل کے دوش بدوش کھڑا کیا۔ اب اردن' شام اور دیگر عرب ممالک بھی یہی کرنے والے ہیں۔ ترکی پہلے ہی دام میں ہے۔ پاکستان کو بھی چارا ڈالا جائے گا۔ ایران اور سوڈان کے گرد بھی جال بنا جارہا ہے۔ وسطی ایشیا کے مسلم ملکوں کو سنبھلنے ہی نہیں دیا جارہا۔

جب اُمتِ مُسلمہ کا حال اتنا زبوں ہے تو ہماری بربادی کے مشورے اتنے زوروشور سے ان کے ایوانوں میں کیوں ہیں؟ گربہ کشتن روزِ اوّل کی پالیسی بھی ایک وجہ ہے۔ لیکن جو خطرہ مغرب

کے کار فرماؤں کو یقین دلا رہا ہے کہ فتنۂ فردا اسلام ہے جس کی آج ہی سے سرکوبی ضروری ہے' وہ احیائے اسلام کی عالمی لہر ہے' وہ یہ ہے کہ دنیا کا ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے' اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلامی تحریکات اس انبوہِ عظیم کو اسی راستے کی طرف دوبارہ لے جارہی ہیں جس میں اس کی زندگی کا سامان ہے (دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ)' اور وہ خطرہ خود مغرب کے قلب میں اُمت کی روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت ہے۔

مغرب کے پنجے سے نکلنے کا راستہ کیسے بنے گا؟ بظاہر مغرب کا تسلط مکمل ہے اور ان کی چالیں کامیاب۔ لیکن مغرب کی کشتی خود بھنور میں پھنسی ہوئی ہے' اور مغرب کو اس کا پورا احساس ہے۔ ومکروا و مکواللہ' (انھوں نے اپنی تدبیریں کیں' اللہ نے اپنی)' کا وعدہ پورا ہونے کا جب وقت آئے گا' تو ان شاء اللہ اسی بھنور میں سے جہانِ نو کی پیدائش کا سامان ہوگا:

ہوائیں ان کی' فضائیں ان کی' سمندر ان کے' جہاز ان کے
گرہ بھنور کی کھلے تو کیوں کر؟ بھنور ہے تقدیر کا بہانہ

کیا ہم آج کے "منفرد اور غیر معمولی تاریخی لمحے" کے چیلنج کا ادراک رکھتے ہیں' اور اس سے عہدہ برآ ہونے کی سعی کررہے ہیں؟ ہماری رائے میں' اس چیلنج کے چند اہم پہلوؤں کا ذکر یہاں ضروری ہے۔

اُمت اور اسلامی تحریکات کے سامنے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ انسانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو' جو بحدِ استطاعت صالحیت و صلاحیت کے حامل ہوں' مستقبل کے لیے جدوجہد کی خاطر کھڑا کردیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و ہدایت کے بعد' کامیابی کے لیے سب سے زیادہ ضرورت انسانوں کی ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں مسلمان اور اسلامی تحریکات انسانوں تک پہنچنے میں' ان کو اپنے ساتھ لے کر چلنے میں' ساتھ چلنے والوں کا تزکیہ کرنے اور ان کو باصلاحیت بنانے میں' عام انسانوں کی تعلیم و تربیت کرنے اور ان میں شریعت کا بار اٹھانے کی استعداد پیدا کرنے میں' امت مسلمہ میں ہی سے نہیں ہر انسانی معاشرہ میں سے صلاح و خیر کی وہ آخری رمق حاصل کرلینے میں جو ظلم و فساد ختم کرکے نظامِ حق و قسط قائم کرنے کے کام آسکے' اور دستیاب انسانی وسائل کا صحیح اور بھرپور استعمال کرنے میں کماحقہ کامیاب نہیں ہیں۔ اس اہم ترین چیلنج کے بارہ میں بہت کچھ سوچنا اور بہت کچھ کرنا ضروری ہے۔

اس چیلنج کا جواب دیے بغیر' حکمتِ عملی اور تدبیرِ کار کے بارہ میں اکثر بحثیں ثانوی حیثیت

رکھتی ہیں' گھوڑے کے آگے گاڑی باندھنے کے مترادف ہیں: انقلاب یا اصلاح' پہلے معاشرہ یا پہلے سیاسی جدوجہد' انتخابات یا جدوجہد' وغیرہ وغیرہ۔ جو حکمتِ عملی بھی اختیار کریں' انسان درکار ہوں گے' ان کا صحیح اور بھرپور استعمال ضروری ہوگا۔ ووٹ دینا ہوگا تو انسان دیں گے' سڑکوں پر آنا ہوگا تو انسان آئیں گے' لڑنا ہوگا تو انسان لڑیں گے۔ کیونکہ ہم انسانوں کی مطلوب تعداد کو ساتھ لے کر چلنے میں کامیاب نہیں' اس لیے ان لاحاصل بحثوں سے دل بہلاتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ انسان فراہم ہو جائیں گے' تو جو تدبیر اختیار کریں گے اس کے لیے درکار دیگر وسائل بھی فراہم ہو جائیں گے۔ تدبیر وہی اختیار کرنا ہوگی جو زمانہ میں رائج ہے' اِلّا یہ کہ حکمِ الٰہی کے خلاف ہو' یا یہ کہ ہم اِجتہاد سے نئی راہیں کھولیں۔

یہ تصوّر بھی صحیح نہیں کہ انبیائے کرام کا کوئی لگا بندھا طریقِ کار رہا ہے۔ اگر کوئی لگا بندھا طریقِ کار رہا ہے' وہ بس دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تزکیہ کے ذریعے لوگوں کے دل اور زندگی بدلنے اور جدوجہد کرنے کا رہا ہے۔ دعوت و تبلیغ' تعلیم و تزکیہ اور جدوجہد کے لیے موزوں تدابیر' وہ بھی اپنے حالات کے لحاظ سے اختیار کرتے رہے' ہم بھی کر سکتے ہیں۔

یہ تصوّر بھی صحیح نہیں کہ آج کوئی دَور بالکل مکی یا مدنی دَور کی طرح ہو سکتا ہے: ہر دَور منفرد بھی ہوتا ہے' اور متشابہ بھی۔ یہ انسانی عقل کا امتحان ہے کہ وہ اپنے دَور کو سمجھے' اپنے معاشرہ کو سمجھے' اور قرآن مجید' اُسوۂ نبویؑ اور اُسوۂ انبیائے کرام کی روشنی میں اپنے لیے راہِ عمل متعین کرے' لیکن ہر راہِ عمل کا مقصد انسانوں کو جمع کرنا' ان کو قوت بنانا اور ان کے ذریعہ جدوجہد کرنا ہی ہونا چاہیے۔

انسانوں کو ساتھ لینا ہو تو چند اصول ملحوظ رکھنا ناگزیر ہے۔

ایک یہ یقین ضروری ہے کہ ہر انسان بدل سکتا ہے' ہر بدکار نیکوکار بن سکتا ہے' ہر کافر مسلمان ہو سکتا ہے' ہر مخالف ساتھ آ سکتا ہے۔ جب تک کوئی' اتمامِ حجت ہونے کے بعد (جس کا تعین کرنا بہت مشکل ہے) انکار نہ کر دے' اس کی اصلاح سے مایوس ہونا جائز نہیں۔

دوسرے یہ کہ ہر انسان کو خالق نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے' اس میں اپنی روح پھونکی ہے' اس کے اندر بے پناہ صلاحیتیں اور ترقی کے بے پناہ امکانات رکھے ہیں۔ انسان کو حقیر نہ سمجھنا' اس کی کمزوریوں سے زیادہ خوبیوں پر نظر رکھنا' اس کی قدر کرنا' یہ اس راہ میں مطلوب ہے۔

تیسرے یہ کہ جو انسان بدلیں گے اور ساتھ آئیں گے' وہ کبھی سرتاپا ہمارے پیمانوں پر پورا نہیں اتریں گے' نہ ہماری ساری توقعات پوری کریں گے۔ جو مزاج اور خیال کا اختلاف برداشت

نہیں کرسکتے، یا انسانوں کے ضعف، کوتاہیوں، گناہوں اور لغزشوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں، ان کے لیے انسانوں کو ساتھ لے کر چلنا بہت مشکل ہے۔ انسان سب ایک خیال کے نہیں ہوسکتے، سب کسی ایک معیار پر پورے نہیں اتر سکتے۔ جو جتنا آئے، جتنا کرے، اسے قبول کرکے اس کو بہتر سے بہتر بنانا ہی نبی کریمؐ کا اُسوہ رہا ہے۔

چوتھے یہ کہ انسان کی زندگی کی کنجی اس کا دل ہے۔ دل کے قفل کھل جائیں گے، اصلاح کے راستے کھل جائیں گے۔ دل دیکھنے لگے گا، آنکھیں دیکھنے لگیں گی۔ دل کا مرض شفایاب ہوگا، اخلاق و اعمال اور معاشرے صحت مند ہو جائیں گے۔

پانچویں یہ کہ بہت تھوڑے انسانوں کے دل نظریہ، تقریر، یا کتاب سے جیتے جاسکتے ہیں۔ اصل فاتحِ عالم محبت ہے، دل کی نرمی ہے، گفتگو کی شیرینی ہے، اخلاق کا حسن و جمال ہے، فیاضی اور سخاوت ہے، عفوودرگزر ہے، غصہ، حسد اور کینہ وغیرہ سے پاک دل ہے۔

انسانوں کو ساتھ لینے اور ساتھ رکھنے کے لیے دین کے چند اور بنیادی اصول سیکھ کر ان پر کاربند رہنا بھی ضروری ہے۔ دین یسر ہے: دین کو آسان، مشکل اور تنگ نہ بنانا، طبیعتوں کو دین کی طرف مائل کرنا، متنفر نہ کرنا، انسان ضعیف کے اوپر بوجھ ہلکے کرنا، اس پر استعداد سے زیادہ بوجھ نہ رکھنا، مطالباتِ دین پیش کرنے میں تدریج اختیار کرنا، غلو، تشدد اور تعمّق سے اجتناب کرنا کہ ان سے انحراف پیدا ہوتا ہے، ــــ یہ تیسو دین کے چند پہلو ہیں۔ اعمال کو ان کے اصل مدارج پر قائم رکھنا، فرض کو فرض کی جگہ اور مباح کو مباح کی جگہ، مباح اور حلال کو حرام نہ کرنا، نفل کو فرض کا درجہ نہ دینا، اپنے اجتہاد کو اور فہم کو منشائے الٰہی یا نصوص کا درجہ نہ دینا، ایک کام کرنے کے دو طریقے ہوں تو آسان طریقہ اختیار کرنا ــــ یہ بھی اس زمرہ میں آتے ہیں۔

وسیع پیمانہ پر عامۃ المسلمین کی دینی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کے بغیر معاشرہ میں یہ استعداد نہ پیدا ہوگی کہ اس پر احکامِ الٰہی نافذ کیے جاسکیں، نہ عام لوگ دین کی نصرت میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے آگے بڑھیں گے۔ چنانچہ اس تعلیم و تربیت کے لیے کثرت سے موثر اقدامات کرنا ضروری ہیں۔

دوسرا اہم چیلنج یہ ہے کہ ہمیں مستقبل اپنا بنانے کے لیے ایک انتہائی تیزرفتاری سے بدلتے ہوئے زمانہ پر اپنی گرفت قائم کرنا ہے۔ اس تبدیلی کی باگ بھی ہمارے ہاتھ میں نہیں، مغرب کے ہاتھ میں ہے۔ جیٹ اور ڈش انٹینا کے ذریعہ روز بروز سکڑتے ہوئے فاصلوں کی دنیا میں، ہر تبدیلی

--- وہ ٹیکنالوجی کی ہو' فکرواخلاق کی ہو' فیشن کی ہو --- "آناً فاناً" دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیل جاتی ہے۔ ہر تبدیلی کے آگے بند باندھنا بہت مشکل ہے' ان کی جہت بدلی جاسکتی ہے۔ ان حالات میں زمانہ کی باگ ہاتھ میں لینا اور مستقبل کی نقشہ گری کرنا ہر پہلو سے زبردست مجتہدانہ صلاحیت کا تقاضا کرتا ہے۔ ایسی مجتہدانہ صلاحیت کے بغیر نہ ایک تہذیبِ نو کی تعمیر ہوسکتی ہے' نہ امامتِ عالم حاصل ہوسکتی ہے۔

تیسرا اہم چیلنج عورت اور نوجوان کا ہے۔ ان تبدیلیوں سے دونوں سب سے بڑھ کر متاثر ہورہے ہیں۔ عورت مستقبل کا ہراوّل دستہ ہے' وہی ہمارے دین کی آخری پناہ گاہ ہے' وہ ہماری امت کا نصف حصہ بھی ہے۔ اس کو دین کی حدود میں' معاشرہ میں اس کا صحیح مقام دیے بغیر' کیا ہم صرف ایک پہیہ سے مستقبل کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں ؟

یہی معاملہ نوجوانوں کا ہے' جو فطرتاً" ہر نئی چیز قبول کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ جس کے بن جائیں' اس کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں' آسمان سے تارے توڑ لاتے ہیں' پاتال میں اتر جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے اُمتِ مُسلِمہ میں ۳۰ سال سے کم عمر کے نوجوان ۶۰ فیصد ہیں' جب کہ ۱۶ سال سے کم عمر بچوں کی تعداد ۵۰ فیصد ہے۔

آخری اہم چیلنج مغرب میں اسلام اور مسلمان کا ہے' مغرب کے اندر سے صلاح و خیر کی تمام ممکن قوتوں کو جمع کرکے ان کا وزن اسلام کے پلڑے میں ڈالنے کا ہے۔

مستقبل میں اسلام اور مغرب کی اصل جنگ' زمینی سرحدوں پر علاقے جیتنے سے پہلے' انسانی سرحدوں پر دل اور دماغ جیتنے کے لیے ہوگی۔ اس جنگ میں کامیابی ہی پر آنے والے معرکوں کے نتائج کا انحصار ہوگا۔ مغربی تہذیب کے اگلے مورچے عرصہ سے مسلم دنیا کے قلب میں --- جکارتا' کراچی' ریاض سے لے کر رباط تک --- قائم ہیں۔ خوش آیند بات یہ ہے کہ گذشتہ نصف صدی میں اب اسلام کی آخری سرحد بھی ایک دفعہ پھر عین مغرب کے قلب میں پہنچ گئی ہے۔ مشرقی یورپ میں مسلمانوں کی بڑی آبادیاں موجود تھیں' لیکن اب لندن سے لے کر لاس اینجلز تک بھی ان کی بڑی بڑی آبادیاں وجود میں آچکی ہیں۔ کئی ممالک میں اسلام دوسرا بڑا مذہب بن گیا ہے یا بننے والا ہے۔ اسپین کے اور مشرقی یورپ میں عثمانی خلافت کے بعد' ۱۴۰۰ سال میں یہ تیسرا تاریخی لمحہ ہے جو اسلام کو مغرب تک پہنچانے کے بھرپور امکانات کا حامل ہے۔

اگرچہ اب مسلمانوں کی پشت پر اسپین کی خیرہ کُن تہذیب نہیں' عثمانیوں کی' لرزہ براندام

کرنے والی فوجی قوت بھی نہیں' لیکن وہ غیر مسلم سوسائٹی کی غالب اکثریت کے پڑوسی ہیں' ان کے ساتھ ساتھ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں' کام کاج اور کاروبار کرتے ہیں' جو شہری ہیں وہ ووٹ بھی دیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ وہاں اسلام کے سفیر بن کر نہیں گئے' نہ اچھے سفیر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ لیکن کوئی تصور نہ کرسکتا تھا کہ نصف صدی میں برطانیہ' امریکہ اور یورپ میں بے شمار مساجد موجود ہوں گی' تعلیمِ قرآن کے مدارس ہوں گے' بعض مقامات پر سڑکوں پر اذان بھی سنی جاسکے گی' اور بے شمار حلقوں کے انتخابات میں ان کا ووٹ فیصلہ کُن بن جائے گا یہ صرف مشیتِ الٰہی ہی سے ممکن ہوا ہے۔

مغرب کے مسلمان اکثر باہر سے آئے ہیں' لیکن اب خود اندر سے مقامی لوگوں کے ملّت اسلامیہ میں شامل ہونے کی رفتار برابر بڑھ رہی ہے۔ ان میں عام لوگ بھی ہیں اور نمایاں شخصیتیں بھی' مرد بھی ہیں اور ان سے دگنی تعداد میں عورتیں بھی (اس پروپیگنڈہ کے باوجود کہ اسلام عورت کو پست مقام دیتا ہے اور گھر اور حجاب میں قید کردیتا ہے)۔

مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی تعداد نے اہلِ مغرب کو تہذیب و رواداری' انصاف و حریت' اور انسان دوستی کے سارے نقاب چاک کرکے اصل چہرہ دکھانے پر مجبور کردیا ہے۔ برطانوی وزیرِداخلہ کا اصرار ہے کہ مسلمان بائبل اور شکسپیئر کو بھی اپنائیں' فرانسیسی وزیرِداخلہ طالبات کو اسکولوں میں سر پر رومال باندھنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں۔ انگلینڈ میں لڑکیوں کو شلوار پہننے کی اجازت دینے پر اسکولوں کے باہر مظاہرے ہوتے ہیں' مسجدوں میں سور کے سر بھی پھینکے جاتے ہیں۔ جرمنی میں مسلمانوں کو گھروں میں زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ بوسنیا کا حشر بھی سامنے ہے۔

یہ ایک تاریخی موقع ہے' اور اُمّت مُسلِمہ کو اپنی اس آخری سرحد پر' جو مغرب کے قلب میں واقع ہے' دلوں اور دماغوں کے لیے برپا جنگ جیتنے' تعصب اور نفرت کی دیواریں ڈھانے' اور قرآن اور نبوت کا پیغام پھیلانے کے لیے تمام ممکن اقدامات کرنے کے منصوبے بنانا چاہئیں۔ اکثر لوگ اسلام سے ناواقف ہیں —— اور یہی تعصب و نفرت کی بڑی وجہ ہے —— ان کی ناواقفیت دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ذہنوں میں غلط تصاویر بٹھا دی گئی ہیں' ان کو صاف کرنا چاہیے۔

یہی معاملہ ہندوستان' چین' جاپان اور دیگر ممالک کا ہے' جہاں مسلمان بڑی تعداد میں موجود ہیں' یا جہاں اسلام سے صرف ناواقفیت ہے' تعصب' نفرت اور دشمنی نہیں۔ یہاں بھی اگر اسلام کا پیغام پہنچے گا' تو ممکن نہیں کہ دلوں کو مسخّر نہ کرے۔

جو ممالک مسلمانوں اور اسلام سے نبرد آزما ہیں' ان کے بارہ میں بہت سوچ سمجھ کر مناسب حکمتِ عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ عداوت کا دائرہ پھیلنے نہ پائے: حکومت اور ملک' حکمرانوں اور عوام کے درمیان امتیاز رکھا جائے۔ خود ان ممالک کی رائے عامہ کو اپنے حکمرانوں کے خلاف کھڑا کیا جائے۔ جب تک ہم معرکہ جیتنے کی پوزیشن میں نہ ہوں معرکہ برپا نہ کیا جائے' نہ مقابلہ میں غیر مطلوب شدت پیدا کی جائے۔ ہمارے اہداف ہماری نظروں میں واضح ہوں' اور ہم صبر سے ان کے لیے کام کرتے رہیں' جذبات میں اِدھر اُدھر نہ نکل جائیں۔

جو تھا نہیں ہے' جو ہے نہ ہو گا' یہی ہے اک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی' اسی کا مشتاق ہے زمانہ

مستقبل یقیناً اسلام کا ہے' اور ہم بلاشبہ آج "ایک منفرد اور غیر معمولی تاریخی لمحے کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔" لیکن تقدیر کے اس فیصلے نے اُمتِ مسلمہ اور اسلامی تحریکات کو ایک عظیم امتحان سے دوچار کردیا ہے۔ اس لیے کہ مستقبل' من و سلویٰ کی طرح' کسی قوم کی گود میں نہیں ٹپک پڑتا۔ مستقبل' ارادہ اور اس جدوجہد سے حاصل ہوتا ہے' جو عزم و جزم' حکمت و تدبر اور ہمت و حوصلہ سے کی جائے۔

اس جدوجہد کے لیے قوت کا سرچشمہ اعتصام باللہ کے سوا کچھ نہیں۔ ضروری ہے کہ جدوجہد کرنے والے اپنے اندر' جتنی ممکن ہو گہری للّٰہیت پیدا کریں: وہ جو کام کریں صرف اللہ کے لیے کریں' اٹھتے بیٹھتے اللہ کو یاد رکھیں' ان کے دل اللہ اور رسولؐ کی محبت سے سرشار ہوں' ان کے ہر حکم پر لبیک کہیں' وہ دل و جان سے ان کے وفادار ہوں' صرف اللہ کو فاعل حقیقی اور کارساز سمجھیں' اور ہر وقت اس سے ملاقات کی تیاری کرتے رہیں۔ اور اسی کی خاطر' مسلمانوں سے محبت کریں' ان کے حقوق ملحوظ رکھیں' اور آپس میں بنیان مرصوص بن جائیں۔

اتنا ہی ضروری یہ بھی ہے کہ وہ وسیع پیمانہ پر اُمتِ مُسلمہ اور ساری انسانیت کے اندر بھی گہری للّٰہیت پیدا کرنے کو اپنا کام سمجھیں۔ ان کو صحیح تعلیم دیں' ان کا تعلق اللہ کے ساتھ جوڑا جائے' ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت پیدا کریں' انھیں اطاعتِ الٰہی کے لیے تیار کریں' ان کے دلوں میں اللہ کی طرف بھاگنے کی تڑپ پیدا کریں' اور جس جنت کی وسعت میں زمین و آسمان سما جائیں اس ہی کی طرف دوڑ بھاگ اور مسابقت کا جذبہ غالب کریں۔

جنت اگر مطلوب ہے' تو جنت کی وسعت کے لحاظ ہی سے' دلوں میں وسعت' خیالات میں

وسعت، نگاہوں میں وسعت، مقاصد میں وسعت، رویوں میں وسعت، اور اللہ کے لیے زیادہ سے زیادہ لٹانے اور مٹانے میں وسعت ـــــ یہ وسعت دنیا اور آخرت میں اپنے مقصود کے حصول کے لیے ناگزیر ہے، جدوجہد کرنے والوں میں بھی، تمام مسلمانوں میں بھی۔

آج دنیا میں ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے۔ ہم بہترین انسانی اور مادی ذخائر کے مالک ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہترین دل و دماغ اور صلاحیتیں بخشی ہیں، ہماری زمینیں سونا اگلتی ہیں، اور ہر قسم کی معدنیات سے مالا مال ہیں۔ تمام بری اور بحری راستے ہمارے علاقوں سے گزرتے ہیں۔ ایک دفعہ اگر اس امت کے جسد میں نبوتِ محمدیؐ کے مشن کی روح پیدا ہو جائے، تو وہ انسانیت کو اپنے لیے منتظر پائے گی۔ مگر اُمت کا حال یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام زبان پر ہے، دل اور زندگیاں ان سے وفاداری سے خالی ہیں۔ انسانیت کی غالب اکثریت نے تو یہ نام سنا ہی نہیں، یا سنا ہے تو سننے کا حق نہیں ادا ہوا ہے۔ مسلمان کا راستہ بالکل واضح ہے:

بے خبر! تو جوہرِ آئینہ ایام ہے — تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے — دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ان شاء اللہ العزیز اس کا وعدۂ علو و استخلاف پورا ہو کر رہے گا۔
اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ

تزئینِ نو کے بعد، ترجمان القرآن کے دوسرے دَور کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس دَورِ نو میں ہماری تمام تر کوشش یہ ہو گی کہ ترجمان کے صفحات اس ایجنڈے کی تکمیل کے لیے وقف رہیں جس کو ہم نے جامع طریقہ سے اوپر بیان کرنے کی کوشش کی ہے، کہ آج کی ضرورت یہی ہے۔ یعنی موجودہ عالمی کشمکش میں مسلمان دنیا کے مستقبل کی نقشہ گری کر سکیں۔

فہمِ قرآن کے تحت آپ مستقبل کے بارہ میں ان بشارتوں کی روشنی دیکھیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں۔ یہ بشارتیں بھی ہیں، آپؐ کے مشن کا بیان بھی۔ حضورؐ کی

نگاہیں اور کوششیں کس انداز میں ان بشارتوں کی تکمیل پر مرکوز رہیں' ان کی جھلک آپ "نبوت محمدیؐ کا عالمی مشن" میں پائیں گے۔ مغرب' اسلام کے بارہ میں جو کچھ سوچ رہا ہے' اس کی دو مختلف آوازیں آپ امریکہ کی مشہور ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ہنٹنگٹن کے مقالے "تہذیبوں کا تصادم" اور برطانوی ولی عہد' پرنس چارلس کی تقریر "اسلام اور مغرب" میں سن سکیں گے۔

"چند لمحے' کلام نبویؐ کی صحبت میں" بسر کریں گے' تو اس گلدستہ میں آپ ان اقدار اور رویوں کی خوشبو پائیں گے جن سے مسلمان میں "انسان" بنتا ہے' اور شاید آپ کی توجہ جزئیات و فروعیات کے ان لات و منات سے ہٹ سکے گی جو شیطان نے مسلمان کو عالم کردار سے بیگانہ رکھنے کے لیے تراش رکھے ہیں۔ اس مقصد کے لیے "مدارج اعمال" کی صحیح فہم ضروری ہے' جس کی طرف بڑے موثر اور دل نشین انداز میں رہنمائی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کر رہے ہیں۔ تزکیہ کے لیے پہلا قدم محاسبہ ہے' فکر و جذبات کو انگیز کرنے والے انداز میں اس طرف رہنمائی امام غزالیؒ سے بہتر اور کون کر سکتا تھا۔

میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس رسالہ کے ایک ایک لفظ کو قارئین کے لیے نافع بنائے' اور لکھنے والوں اور مرتب کرنے والوں کے خلاف حجت نہ بنائے۔ جو کچھ اس میں صحیح اور اچھا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا' جو کچھ غلط ہوگا وہ ہماری طرف سے۔ مرتب کرنے والے سے زیادہ کوئی اپنی خطاؤں' کوتاہیوں اور درماندگیوں سے واقف نہیں۔ بس آپ کے کام آئے' اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اگر آپ خطوط کے ذریعے نقد و نظر اور مشوروں سے ہماری رہنمائی کریں گے تو ہم آپ کے شکرگزار ہوں گے۔

مسلم معاشرہ میں کام کا طریقہ

پاکستان [میں] نظامِ زندگی کی شکل کا تعین بالکل مسلمانوں کی رائے عام پر منحصر ہوگیا' در آں حالیکہ متحدہ ہندوستان میں وہ غیرمسلموں کی رائے پر منحصر تھا۔ اور اس فرقِ عظیم کے واقع ہو جانے کے بعد یہ ضروری ہوگیا کہ ہم اسلامی نظامِ زندگی کے لیے اس غالب مسلم آبادی کے ملک میں کام کرنے کا ڈھنگ اس ڈھنگ سے مختلف اختیار کریں جو ہم کو غالب غیرمسلم آبادی کے ملک میں اس کام کے لیے اختیار کرنا پڑ رہا تھا۔ اگرچہ مسلمانوں کی اعتقادی اور اخلاقی کمزوری کو نظرانداز کرکے محض "مسلمان" ہونے کے مفروضے پر ایک عمارت کھڑی کردینا بڑی حماقت ہے' لیکن اس سے کچھ کم درجے کی حماقت یہ بھی نہیں ہے کہ اسلام کے لیے ان کی عقیدت' اور اس کے ساتھ ان کی جذباتی وابستگی' اور اس کی طرف ان کے فطری میلان و رجحان کو نظرانداز کرکے آدمی ان کے درمیان اس طرح کام کرنے لگے جس طرح کسی منکرِ اسلام یا مخالفِ اسلام آبادی میں کیا جاتا ہے۔

کسی ملک میں ایک غالب مسلم آبادی کی موجودگی اسلامی نظام کے حق میں رائے عام تیار کرنے کے جو مواقع بہم پہنچاتی ہے' ان سے فائدہ نہ اٹھانا اور زمامِ کار کی تبدیلی کے لیے جدوجہد کے جو راستے اس میں کھل سکتے ہیں انھیں بند سمجھ لینا کسی صاحبِ عقل آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ کم سے کم فائدہ جو اس چیز سے اٹھایا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ جس دوران میں معاشرے کو ذہنی اور اخلاقی حیثیت سے نظامِ حق اور امامتِ صالحہ کے لیے تیار کرنے کی کوششیں کی جارہی ہوں' عوامی جذبات کو ان کوششوں کی پشت پناہ بنائے رکھا جائے' تاکہ قیادتِ فاسقہ انھیں روکنے اور برباد کرنے کے لیے کوئی طوفان نہ اٹھا سکے اور نظامِ باطل کی جڑیں جمنے نہ پائیں۔ لیکن اگر عقل سے کام لیا جائے تو اس کا یہ فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے کہ تعمیری مساعی اور عوامی تحریک' دونوں متوازی چلتی رہیں' تاکہ عوامی تائید جتنی بڑھتی جائے اسی رفتار سے نظامِ باطل کو پیچھے ہٹانے اور نظامِ حق کو آگے بڑھانے کا تدریجی عمل جاری رکھا جاسکے' اور بالآخر یہ دونوں قسم کی کوششیں ایک نتیجہ پر تمام ہوں۔

(ایک بندۂ خدا)

فاتحہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے آج سے ۶۰ سال پہلے، ترجمان القرآن کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے جو کلمات تحریر فرمائے تھے، وہ ان جذبات و احساسات کی عکاسی بڑی خوبصورتی کے ساتھ کرتے ہیں جو آج اس عاجز بندے کے قلب پر طاری ہیں۔ بلکہ آج کے مدیر کو تو سرے سے ان کی شخصیت سے کوئی نسبت ہی نہیں، اس لیے میں حصولِ برکت اور اظہارِ جذبات کے لیے ان کے کلمات کے اقتباسات پیش کر رہا ہوں۔ (خ - م)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْنَا کِتَاباً فِیْهِ هُدًی وَ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ، وَیَسَّرَهٗ لَنَا لِنَذَّکَّرَ بِهٖ، وَاَرْسَلَ اِلَیْنَا عَبْدَهٗ وَ رَسُوْلَهٗ مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ یَتْلُوْا عَلَیْنَا اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْنَا وَیُعَلِّمُنَا الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ، وَیُخْرِجُنَا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔

یہ رسالہ اپنی زندگی کے چھ مہینے پورے کرنے کے بعد آج ایک دوسرے مرحلے میں قدم رکھ رہا ہے، جو پہلے مرحلے سے زیادہ کٹھن اور دشوار ہے۔ کٹھن اور دشوار صرف اسی معنی میں نہیں کہ اس کے پیشِ نظر اب پہلے سے زیادہ مشکل کام ہے، بلکہ اس معنی میں بھی کہ جن ہاتھوں میں وہ منتقل ہو رہا ہے وہ پہلے کام کرنے والے ہاتھوں سے زیادہ کمزور ہیں۔ اب تک اس رسالہ کی تحریر و ترتیب ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں تھی جس نے برسوں سے اپنی زندگی کو قرآن اور صرف قرآن کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ ... ایسے شخص کے لیے سب سے بڑی قوت اس کا خلوص، اس کی تن دہی اور اس کا ایثار ہے، جو ہر مشکل سے مشکل امر میں کامیابی کے لیے ضامن ہوتا ہے۔ مگر اب یہ کام اس شخص کے سپرد کیا جارہا ہے، جو انکسار کے طور پر نہیں، اعترافِ حقیقت کے طور پر اپنی کمزوری، اپنی بیچارگی، اپنی بے مائیگی کو تسلیم کرتا ہے۔ اور ہر شخص سے زیادہ خود اپنے عجز و درماندگی سے واقف ہے۔

...

ایک طرف یہ ضعف و ناتوانی ہے، دوسری طرف پیشِ نظر کام ہے کہ اسلام کو اس اصلی

روشنی میں پیش کیا جائے۔ . . . قرآن مجید کو اس کی اصلی صورت میں پیش کرنا' اس کے حقائق و معارف کو اس سیدھے اور صاف طریقے سے سمجھنا اور سمجھانا جس سے قرنِ اوّل کے سچے مسلمان سمجھتے اور سمجھاتے تھے' ایک بڑا مشکل کام ہے۔ اور اس مشکل کام کے لیے اس رسوخ علم' سلامتِ قلب' اور طہارتِ نفس و روح کی ضرورت ہے' جس کی قلّت میں اپنے اندر محسوس کرتا ہوں۔ قرآن مجید کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے سب سے پہلی ضرورت پاکیزگی کی ہے' کہ قرآن ھدی للمتقین ہے۔ جس طرح قرآن کے اوراق کو چھونے کے لیے جسم کی پاکیزگی ضروری ہے' اسی طرح اس کے معانی' اس کے معارف' اس کی روح تک رسائی حاصل کرنے کے لیے نفس و روح کی پاکیزگی بھی لازم ہے' جس کا دوسرا نام تقویٰ ہے۔ اس کے بغیر انسان بجائے ہدایت پانے کے الٹا گمراہ ہو جاتا ہے۔

. . .

اس کے ساتھ رسوخِ علم بھی ضروری ہے۔ جو متشابہات کو بھی محکمات کے درجہ میں کر دیتا ہے' اور جس کے بغیر انسان اتنا کج نظر و کج فہم ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے محکمات بھی متشابہات ہو جاتی ہیں۔

پس سلامتی کی راہ تو درحقیقت اس میں تھی کہ جو شخص رسوخِ علم اور طہارتِ قلب کا مالک نہیں ہے' وہ "ترجمان القرآن" کی تحریر و ترتیب کا کام اپنے ہاتھ میں نہ لیتا۔ مگر کام کی دشواری اور اپنی کمزوری کو جاننے کے باوجود محض خدمت کے جذبہ نے مجھ کو اس دعوت کے قبول کرنے پر مجبور کردیا جو مجھے اس کام کی جانب دی گئی تھی۔ اور اس بھروسہ نے میری ہمت بڑھائی کہ جس خدا نے میرے دل میں یہ جذبہ پیدا کیا ہے' وہی رسوخِ علم' صحتِ فکر' سلامتِ قلب' اور طہارتِ نفس و روح بھی ارزانی فرمائے گا۔

. . .

اس کے ساتھ ہی' میں اس کا مدعی بھی نہیں ہوں کہ مجھ سے غلطی نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ کسی مسئلہ کے سمجھنے اور بیان کرنے میں خود میں غلطی پر ہوں۔ ایسے مواقع پر میں امید کرتا ہوں کہ میری کسی غلطی کو قصد و اختیار پر محمول نہ کیا جائے گا' بلکہ ناواقفیت اور قلّتِ فہم کا نتیجہ سمجھا جائے گا' اور اہل علم حضرات میری اصلاح کی کوشش فرمائیں گے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ کوئی شخص مجھے غلطی پر اصرار کرنے والا ہٹ دھرم نہ پائے گا۔

۶۰ سال پہلے

رسالہ ترجمان القرآن کو شائع ہوتے ۶۰ سال سے اوپر ہو رہے ہیں۔ ہم ہر اشاعت میں ۶۰ سال پہلے کی اشاعت سے کوئی ایسا اقتباس دیا کریں گے جو ماضی کا عکاس بھی ہو' اور حال سے مربوط بھی۔ (ادارہ)

یورپ اور امریکہ کی عورتوں نے زندگی کا کون سا میدان ایسا چھوڑ دیا ہے جس میں مردوں کا مقابلہ نہیں کیا؟ وہ کھیل کود اور جسمانی ورزش کے میدان میں اتریں' کارخانوں اور دفتروں میں در آئیں' دماغی اور جسمانی محنت کے تمام پیشوں میں مردوں سے حصہ بٹایا' فوج اور پولیس تک کے خالص مردانہ شعبوں میں جگہ حاصل کی' عدالت کی کرسی سے لے کر وزارت اور سفارت کی اہم خدمات تک میں اپنی قابلیت کا سکہ جمانے کی کوشش کی' اور معاشی استقلال حاصل کرکے اس پرانے نظریہ کی دھجیاں بکھیر دیں جو بدءِ آفرینش سے مسلّم چلا آ رہا ہے' یعنی مرد کا کام روزی کمانا اور عورت کا کام گھر سنبھالنا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے بعد بھی مرد بدستور حکمران اور بالادست ہے اور عورت اسی طرح محکوم اور زیردست۔

آپ کسی آزاد سے آزاد سوسائٹی میں چلے جایئے' اوّل نظر میں آپ محسوس کرلیں گے کہ عورت اور مرد کے درمیان امتیازی برتاؤ ہو رہا ہے۔ کسی کارخانے یا کسی دفتر میں جایئے' آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عورت کو کمتر ذمہ داری اور کمتر مہارت و ذہانت کے کام دیے جاتے ہیں' اور ادنیٰ درجہ کی خدمتوں میں بھی عورت کا معاوضہ مرد کی بہ نسبت کم رکھا گیا ہے۔ آپ کو مغربی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نظر نہ آئے گا جس میں ادعائے مساوات کے علی الرّغم' اصلی اور حقیقی نا مساوات قائم نہ ہو۔ اور مجموعی طور پر آپ یہی دیکھیں گے کہ ہر جگہ حکومت مرد کی ہے اور عورت کا درجہ ہر جگہ مرد سے فروتر ہے۔

انسان کے لیے صحیح اجتماعی نظام وہی ہو سکتا ہے' جو فطرت کے منشا اور مقصد کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ اس کو نہ سمجھے بغیر' یا سمجھنے کے باوجود عمداً اس کے خلاف جو طریقے بھی زندگی بسر کرنے کے لیے اختیار کیے جائیں گے' ان کا نتیجہ بجز آلام و مصائب اور بالآخر تباہی کے

اور کچھ نہیں نکل سکتا۔

جن قوموں نے تفریط کا پہلو اختیار کیا ہے' وہ عورت کو ذلیل کرنے کے ساتھ خود بھی ذلیل ہو گئیں' کیونکہ جس جماعت کا نصف حصہ ذلیل ہو وہ بحیثیتِ مجموعی ذلت کے گڑھے میں گرنے سے کیونکر بچ سکتی ہے؟ پھر یہ نصف حصہ بھی کون سا نصف حصہ؟ وہ جو پوری قوم کی نسلوں کا مصدر و منبع اور تربیت گاہ ہے۔ جس کی درستی پر نسلوں کی درستی' اور جس کی خرابی پر نسلوں کی خرابی مترتب ہوتی ہے۔

اسی طرح جن قوموں نے افراط کا پہلو اختیار کیا ہے' وہ عورت کو مردوں کے دائرے میں لا کر اپنے پورے نظامِ تمدن کو درہم برہم کر چکی ہیں' اور کیے جا رہی ہیں۔ وہ اس پر قادر نہیں ہیں کہ حمل و ولادت' رضاعت و تربیت اور تدبیرِ منزل کی ذمہ داریوں میں عورت کے ساتھ مرد کو بھی برابر کا شریک بنا دیں۔ وہ اس پر بھی قادر نہیں ہیں کہ عورت کی جبلّت کو بدل دیں۔ ان کو اس پر بھی قدرت حاصل نہیں ہے کہ فطرت نے عورت میں جو قابلیتیں اور صلاحیتیں ودیعت نہیں کی ہیں وہ اس میں پیدا کر دیں۔ مگر اس کے باوجود وہ کوشش کر رہی ہیں کہ اس بارِ گراں کے علاوہ' جو فطرت نے عورت پر ڈال دیا ہے' اور جس میں حصہ لینا مرد کے لیے کسی طرح ممکن نہیں ہے' عورت پر وہ بار بھی ڈال دیں جو فطری تقسیم کے اعتبار سے صرف مرد کے حصہ میں آیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورت کے لیے بیک وقت دو مختلف قسم کے بار برداشت کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

آج کل مشرقی دماغ' مغرب کے بلند بانگ دعاویِ علم و عقل سے اس قدر دہشت زدہ ہو گئے ہیں کہ جس غلط اور سراسر خلافِ عقل و حکمت بات کو مغرب نے صحیح سمجھا' اور رواج دے دیا' اس کو اہلِ مشرق نے بھی مسلّمات میں داخل کر لیا' اور کسی کو اس کے خلاف زبان کھولنے تک کی جرأت نہ ہوئی۔ ہر آیت جو آسمانِ مغرب سے نازل ہوئی' زمینِ مشرق میں اسے ایمانیات کا درجہ حاصل ہو گیا۔ چنانچہ عورتوں اور مردوں کی مساوات' اور عورتوں کی آزادی' اور ان کے حقوق کے متعلق بھی جو خیالات مغرب سے آئے ہیں' ان کو مشرق والوں' حتیٰ کہ مسلمانوں تک نے' اس طرح تسلیم کر لیا ہے گویا کہ وہ ناقابلِ تردید مسلّمات ہیں۔ اچھے اچھے پڑھے لکھے آدمی قرآن و حدیث کی تعلیمات کو کھینچ تان کر ان کے مطابق بنانے کی کوششیں کرتے ہیں۔

(سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ' اشارات' جنوری ۱۹۳۴)

مستقبل کی نوید

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ○ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○ (الضحیٰ ۹۳: ۴-۵)

اور یقیناً تمہارے لیے بعد کا دَور پہلے دَور سے بہتر ہے' اور عنقریب تمہارا رب تم کو اِتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

یہ خوشخبری اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں دی تھی جبکہ چند مٹھی بھر آدمی آپؐ کے ساتھ تھے' ساری قوم آپؐ کی مخالف تھی' بظاہر کامیابی کے آثار دُور دُور کہیں نظر نہ آتے تھے۔ اسلام کی شمع مکہ ہی میں ٹمٹما رہی تھی اور اسے بجھا دینے کے لیے ہر طرف طوفان اٹھ رہے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے فرمایا کہ ابتدائی دور کی مشکلات سے آپؐ ذرا پریشان نہ ہوں۔ ہر بعد کا دَور پہلے دَور سے آپؐ کے لیے بہتر ثابت ہوگا۔ آپؐ کی قوت' آپؐ کی عزت و شوکت اور آپؐ کی قدر و منزلت برابر بڑھتی چلی جائے گی اور آپؐ کا نفوذ و اثر پھیلتا چلا جائے گا۔ پھر یہ وعدہ صرف دنیا ہی تک محدود نہیں ہے' اس میں یہ وعدہ بھی شامل ہے کہ آخرت میں جو مرتبہ آپؐ کو ملے گا' وہ اس مرتبے سے بھی بدرجہا بڑھ کر ہوگا جو دنیا میں آپؐ کو حاصل ہوگا۔ طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل میں ابنِ عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش کی گئیں جو میرے بعد میری اُمت کو حاصل ہونے والی ہیں۔ اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ آخرت تمہارے لیے دنیا سے بھی بہتر ہے۔"

اگرچہ دینے میں کچھ دیر تو لگے گی' لیکن وہ وقت دُور نہیں ہے جب تم پر تمہارے رب کی عطا و بخشش کی وہ بارش ہو گی کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ یہ وعدہ حضورؐ کی زندگی ہی میں اس طرح پورا ہوا کہ سارا ملکِ عرب' جنوب کے سواحل سے لے کر شمال میں سلطنتِ روم کی شامی اور

سلطنتِ فارس کی عراقی سرحدوں تک، اور مشرق میں خلیج فارس سے لے کر مغرب میں بحرِ احمر تک، آپؐ کے زیرِ نگیں ہو گیا، عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ سرزمین ایک قانون اور ضابطہ کی تابع ہو گئی، جو طاقت بھی اس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہو کر رہ گئی۔ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سے وہ پورا ملک گونج اٹھا، جس میں مشرکین اور اہلِ کتاب جھوٹے کلمے بلند رکھنے کے لیے آخری دم تک ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے۔ لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت میں نہیں جھک گئے بلکہ ان کے دل بھی مُسخّر ہو گئے اور عقائد، اخلاق اور اعمال میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہو گیا۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ ایک جاہلیت میں ڈوبی ہوئی قوم صرف ۲۳ سال کے اندر اتنی بدل گئی ہو۔ اس کے بعد حضورؐ کی برپا کی ہوئی تحریک اس طاقت کے ساتھ اٹھی کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ایک بڑے حصے پر وہ چھا گئی اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے اثرات پھیل گئے۔ یہ کچھ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو دنیا میں دیا، اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصوّر بھی کوئی نہیں کر سکتا۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ○ (الم نشرح ۹۴ : ۴)
اور (ہم نے) تمھاری خاطر تمھارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔

یہ بات اس زمانہ میں فرمائی گئی تھی جب کوئی شخص یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ جس فردِ فرید کے ساتھ گنتی کے چند آدمی ہیں اور وہ بھی صرف شہر مکہ تک محدود ہیں، اس کا آوازہ دنیا بھر میں کیسے بلند ہو گا اور کیسی ناموری اس کو حاصل ہو گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوشخبری سنائی اور پھر عجیب طریقہ سے اس کو پورا کیا۔

سب سے پہلے آپؐ کے رفعِ ذکر کا کام اس نے خود آپؐ کے دشمنوں سے لیا۔ کفارِ مکہ نے آپؐ کو زک دینے کے لیے جو طریقے اختیار کیے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ حج کے موقع پر جب تمام عرب سے لوگ کھچ کھچ کر ان کے شہر میں آتے تھے، اس زمانہ میں کفار کے وفود حاجیوں کے ایک ایک ڈیرے پر جاتے اور لوگوں کو خبردار کرتے کہ یہاں ایک خطرناک شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نامی ہے جو لوگوں پر ایسا جادو کرتا ہے کہ باپ بیٹے، بھائی بھائی اور شوہر اور بیوی میں جدائی پڑ جاتی ہے، اس لیے ذرا اس سے بچ کر رہنا۔ یہی باتیں وہ ان سب لوگوں سے بھی کہتے تھے جو حج کے سوا دوسرے دنوں میں زیارت یا کسی کاروبار کے سلسلے میں مکہ آتے تھے۔ اس طرح اگرچہ وہ حضورؐ کو بدنام کر رہے تھے، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے گوشے گوشے میں آپؐ کا نام پہنچ

گیا اور مکّہ کے گوشۂ گمنامی سے نکال کر خود دشمنوں نے آپ کو تمام ملک کے قبائل سے متعارف کرا دیا۔

اس کے بعد یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ یہ معلوم کریں کہ وہ شخص ہے کون ؟ کیا کہتا ہے ؟ کیسا آدمی ہے ؟ اس کے "جادو" سے متاثر ہونے والے کون لوگ ہیں اور ان پر اس کے "جادو" کا آخر کیا اثر پڑا ہے ؟ کفارِ مکہ کا پروپیگنڈا جتنا جتنا بڑھتا چلا گیا' لوگوں میں یہ جستجو بھی بڑھتی چلی گئی۔ پھر جب اس جستجو کے نتیجے میں لوگوں کو آپ کے اخلاق اور آپ کی سیرت و کردار کا حال معلوم ہوا' جب لوگوں نے قرآن سنا اور انھیں پتہ چلا کہ وہ تعلیمات کیا ہیں جو آپ پیش فرما رہے ہیں' اور جب دیکھنے والوں نے یہ دیکھا کہ جس چیز کو جادو کہا جارہا ہے اس سے متاثر ہونے والوں کی زندگیاں عرب کے عام لوگوں کی زندگیوں سے کس قدر مختلف ہو گئی ہیں' تو وہی بدنامی نیک نامی سے بدلنی شروع ہو گئی' حتیٰ کہ ہجرت کا زمانہ آنے تک نوبت یہ پہنچ گئی کہ دُور و نزدیک کے عرب قبائل میں شاید ہی کوئی قبیلہ ایسا رہ گیا ہو جس میں کسی نہ کسی شخص یا کنبے نے اسلام قبول نہ کرلیا ہو' اور جس میں کچھ نہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کی دعوت سے ہمدردی و دلچسپی رکھنے والے پیدا نہ ہوگئے ہوں۔ یہ حضورؐ کے رفعِ ذکر کا پہلا مرحلہ تھا۔

اس کے بعد ہجرت سے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوا' جس میں ایک طرف منافقین' یہود اور تمام عرب کے اکابر مشرکین' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے میں سرگرم تھے' اور دوسری طرف مدینہ طیبّہ کی اسلامی ریاست خدا پرستی و خدا ترسی' زہد و تقویٰ' طہارتِ اخلاق' حسنِ معاشرت' عدل و انصاف' انسانی مساوات' مالداروں کی فیاضی' غریبوں کی خبر گیری' عہد و پیمان کی پاس داری اور معاملات میں راست بازی کا وہ عملی نمونہ پیش کررہی تھی جو لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا چلا جارہا تھا۔ دشمنوں نے جنگ کے ذریعہ سے حضورؐ کے اس بڑھتے ہوئے اثر کو مٹانے کی کوشش کی' مگر آپ کی قیادت میں اہلِ ایمان کی جو جماعت تیار ہوئی تھی اس نے اپنے نظم و ضبط' اپنی شجاعت' اپنی موت سے بے خوفی' اور حالتِ جنگ تک میں اخلاقی حدود کی پابندی سے اپنی برتری اس طرح ثابت کردی کہ سارے عرب نے ان کا لوہا مان لیا۔ ۱۰ سال کے اندر حضورؐ کا رفعِ ذکر اس طرح ہوا کہ وہی ملک جس میں آپ کو بدنام کرنے کے لیے مخالفین نے اپنا سارا زور لگا دیا تھا' اس کا گوشہ گوشہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی صدا سے گونج اٹھا۔

پھر تیسرے مرحلے کا افتتاح خلافتِ راشدہ کے دور سے ہوا' جب آپ کا نام مبارک تمام

زمین میں بلند ہونا شروع ہوگیا۔ یہ سلسلہ آج تک بڑھتا ہی جارہا ہے' اور انشاء اللہ قیامت تک بڑھتا چلا جائے گا۔ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں مسلمانوں کی کوئی بستی موجود ہو اور دن میں پانچ مرتبہ اذان میں باواز بلند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان نہ ہو رہا ہو' نمازوں میں حضورؐ پر درود نہ بھیجا جارہا ہو' جمعہ کے خطبوں میں آپؐ کا ذکر خیر نہ کیا جارہا ہو' اور سال کے بارہ مہینوں میں سے کوئی دن اور دن کے ۲۴ گھنٹوں میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہے جب روئے زمین میں کسی نہ کسی جگہ حضورؐ کا ذکر مبارک نہ ہو رہا ہو۔ یہ قرآن کی صداقت کا ایک کھلا ہوا ثبوت ہے کہ جس وقت نبوّت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ' اس وقت کوئی شخص بھی یہ اندازہ نہ کرسکتا تھا کہ یہ رفعِ ذکر اس شان سے اور اتنے بڑے پیمانے پر ہوگا۔ حدیث میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' "جبریل میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا' میرا رب اور آپ کا رب پوچھتا ہے' کہ میں نے کس طرح تمہارا رفعِ ذکر کیا؟ میں نے عرض کیا' اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ انھوں نے کہا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمہارا بھی ذکر کیا جائے گا" (ابن جریر' ابن ابی حاتم' مُسند ابو یعلیٰ' ابن المُنذِر' ابن حِبّان' ابن مردویہ' ابونُعیم)۔ بعد کی پوری تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی۔

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○ (الکوثر ۱۰۸ : ۱)

(اے نبیؐ) ہم نے تمہیں کوثر عطا کردیا۔

اس سے پہلے سورۂ ضحیٰ اور سورۂ الم نشرح میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ نبوت کے ابتدائی دور میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید ترین مشکلات سے گزر رہے تھے' پوری قوم دشمنی پر تلی ہوئی تھی' مزاحمتوں کے پہاڑ راستے میں حائل تھے' مخالفت کا طوفان ہر طرف برپا تھا' اور حضورؐ اور آپؐ کے چند مٹھی بھر ساتھیوں کو دور دور تک کہیں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے تھے' اس وقت آپؐ کو تسلی دینے اور آپؐ کی ہمت بندھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات نازل فرمائیں۔ سورۂ ضحیٰ میں فرمایا' وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ○ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی. "اور یقیناً تمہارے لیے بعد کا دور (یعنی ہر بعد کا دور) پہلے دور سے بہتر ہے' اور عنقریب تمہارا رب تمہیں وہ کچھ دے گا جس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔" اور الم نشرح میں فرمایا کہ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ "اور ہم نے تمہارا آوازہ بلند کردیا۔" یعنی دشمن تمہیں ملک بھر میں بدنام

کرتے پھر رہے ہیں۔ مگر ہم کے ان کے علیٰ الرغم تمھارا نام روشن کرنے اور تمہیں ناموری عطا کرنے کا سلسلہ کر دیا ہے۔ اور فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا "پس حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے، یقیناً تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔" یعنی اس وقت حالات کی سختیوں سے پریشان نہ ہو، عنقریب یہ مصائب کا دور ختم ہونے والا ہے اور کامیابیوں کا دور آنے ہی والا ہے۔

ایسے ہی حالات تھے جن میں سورۂ کوثر نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو تسلی بھی دی اور آپؐ کے مخالفین کے تباہ و برباد ہونے کی پیش گوئی بھی فرمائی۔ قریش کے کفار کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ساری قوم سے کٹ گئے ہیں، اور ان کی حیثیت ایک بے کس اور بے یارومددگار انسان کی سی ہو گئی ہے۔ . . .

کوثر کا لفظ یہاں جس طرح استعمال کیا گیا ہے، اس کا پورا مفہوم ہماری زبان سے تو درکنار، شاید دنیا کی کسی زبان میں بھی ایک لفظ سے ادا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کثرت سے مبالغہ کا صیغہ ہے، جس کے لغوی معنی تو بے انتہا کثرت کے ہیں، مگر جس موقع پر اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے، اس میں محض کثرت کا نہیں بلکہ خیر اور بھلائی اور نعمتوں کی کثرت، اور ایسی کثرت کا مفہوم نکلتا ہے جو افراط اور فراوانی کی حد کو پہنچی ہوئی ہو، اور اس سے مراد کسی ایک خیر یا بھلائی یا نعمت کی نہیں بلکہ بے شمار بھلائیوں اور نعمتوں کی کثرت ہے۔ . . .

حالات وہ تھے جب دشمن یہ سمجھ رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر حیثیت سے تباہ ہو چکے ہیں۔ قوم سے کٹ کر بے یارومددگار رہ گئے۔ تجارت برباد ہو گئی۔ اولادِ نرینہ تھی، جس سے آگے ان کا نام چل سکتا تھا، وہ بھی وفات پا گئی۔ بات ایسی لے کر اٹھے ہیں کہ، چند گنے چنے آدمی چھوڑ کر مکہ تو درکنار پورے عرب میں کوئی اس کو سننا تک گوارا نہیں کرتا۔ اس لیے ان کے مقدّر میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ جیتے جی ناکامی و نامرادی سے دوچار رہیں اور جب وفات پا جائیں تو دنیا میں کوئی ان کا نام لیوا بھی نہ ہو۔

اس حالت میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمایا گیا، کہ ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا، تو اس سے خود بخود یہ مطلب نکلتا ہے کہ تمہارے مخالف بے وقوف تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ تم برباد ہو گئے، اور نبوّت سے پہلے جو نعمتیں تمہیں حاصل تھیں وہ بھی تم سے چھن گئیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تمہیں بے انتہا خیر اور بے شمار نعمتوں سے نواز دیا ہے۔

اس میں اخلاق کی وہ بینظیر خوبیاں بھی شامل ہیں جو حضورؐ کو بخشی گئیں۔ اس میں نبوت اور

قرآن اور علم اور حکمت کی وہ عظیم نعمتیں بھی شامل ہیں جو آپؐ کو عطا کی گئیں۔ اس میں توحید اور ایک ایسے نظامِ زندگی کی نعمت بھی ہے جس کے سیدھے سادھے، عام فہم، عقل و فطرت کے مطابق اور جامع و ہمہ گیر اصول تمام عالم میں پھیل جانے اور ہمیشہ پھیلتے ہی چلے جانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس میں رفعِ ذکر کی نعمت بھی شامل ہے، جس کی بدولت حضورؐ کا نام نامی چودہ سو برس سے دنیا کے گوشے گوشے میں بلند ہو رہا ہے اور قیامت تک بلند ہوتا رہے گا۔

اس میں یہ نعمت بھی شامل ہے کہ آپؐ کی دعوت سے بالآخر ایک ایسی عالمگیر اُمت وجود میں آئی جو دنیا میں ہمیشہ کے لیے دینِ حق کی علمبردار بن گئی، جس سے زیادہ نیک اور پاکیزہ اور بلند پایہ انسان دنیا کی کسی اُمت میں کبھی پیدا نہیں ہوئے، اور جو بگاڑ کی حالت کو پہنچ کر بھی دنیا کی سب قوموں سے بڑھ کر خیر اپنے اندر رکھتی ہے۔

اس میں یہ نعمت بھی شامل ہے کہ حضورؐ نے اپنی آنکھوں سے اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں اپنی دعوت کو انتہائی کامیاب دیکھ لیا اور آپؐ کے ہاتھوں سے وہ جماعت تیار ہو گئی جو دنیا پر چھا جانے کی طاقت رکھتی تھی۔

اس میں یہ نعمت بھی شامل ہے کہ اولادِ نرینہ سے محروم ہو جانے کی بنا پر دشمن تو یہ سمجھتے تھے کہ آپؐ کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے گا، لیکن اللہ نے صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں کی صورت میں آپؐ کو وہ روحانی اولاد عطا فرمائی جو قیامت تک تمام روئے زمین پر آپؐ کا نام روشن کرنے والی ہے، بلکہ آپؐ کی صرف ایک ہی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے آپؐ کو وہ جسمانی اولاد بھی عطا کی جو دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے اور جس کا سارا سرمایۂ افتخار ہی حضورؐ سے اس کا انتساب ہے۔

یہ تو وہ نعمتیں ہیں جو اس دنیا میں لوگوں نے دیکھ لیں کہ وہ کس فراوانی کے ساتھ اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائیں۔ ان کے علاوہ کوثر سے مراد دو مزید ایسی عظیم نعمتیں بھی ہیں، جو آخرت میں اللہ تعالیٰ آپؐ کو دینے والا ہے۔ ان کو جاننے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہ تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان کی خبر دی اور بتایا کہ کوثر سے مراد وہ بھی ہیں۔ ایک حوضِ کوثر، جو قیامت کے روز میدانِ حشر میں آپؐ کو ملے گا۔ دوسرے نہرِ کوثر، جو جنت میں آپؐ کو عطا فرمائی جائے گی۔ ان دونوں کے متعلق اس کثرت سے احادیث حضورؐ سے منقول ہوئی ہیں اور اتنے کثیر راویوں نے ان کو روایت کیا ہے کہ ان کی صحت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

چند لمحے
کلامِ نبویؐ کی صحبت میں

جس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی، آپؐ کو دیکھا، آپؐ کے ارشادات کو سنا، اور آپؐ کا کلام اس سے مس کر گیا، اس پارس پتھر نے اس کے دل کی مشتِ خاک کو سونے کا ہمالیہ بنا دیا۔ آپؐ کی صحبت کے برابر کوئی درجہ نہیں، لیکن آپؐ کی براہِ راست صحبت کی سعادت تو اب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی --- اور اس کی تمنا مناسب بھی نہیں؛ کہ آپؐ کے دیکھنے والوں میں وہ بھی تھے جنھوں نے آپؐ کا انکار کیا اور جہنم کے مستحق ہوئے --- لیکن آپؐ کے کلام کی صحبت میں اپنی زندگی کے لمحات بسر کر لینا آج بھی ممکن ہے، اور ایک عظیم سعادت ہے۔ حضورؐ کی مجلسوں میں تشریح و تعبیر کی ضرورت نہیں ہوا کرتی تھی۔ موعظہ حسنہ صاف اور سیدھا سادا ہوتا، اور دلوں میں اتر جاتا۔ کبھی کبھی ہم، ان صفحات میں، آپ کو براہِ راست کلامِ نبویؐ کی صحبت میں لے جایا کریں گے۔ (خ۔م)

○

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں:

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے فرمایا: ابھی تمھارے پاس ایک ایسا آدمی آئے گا جو اہلِ جنت میں سے ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک انصاری صحابی داخل ہوئے۔ ان کی داڑھی سے وضو کے قطرے ٹپک رہے تھے، اور وہ اپنے بائیں ہاتھ میں جوتے پکڑے ہوئے تھے۔ اگلے دن بھی نبیؐ نے یہی بات دہرائی، اور پہلے دن کی طرح وہی صاحب آئے۔ تیسرا دن آیا تو آپؐ نے پھر یہی ارشاد فرمایا، اور پھر وہی صاحب پہلے کی طرح آئے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ گئے، تو حضرت عبداللہ بن عمروؓ ان صاحب کے پیچھے پیچھے گئے اور ان سے کہا: میری اپنے باپ سے لڑائی ہو گئی ہے، اور میں نے طے کیا ہے کہ تین دن ان کے

پاس نہیں جاؤں گا۔ کیا آپ کے پاس رہ سکتا ہوں ؟ انھوں نے کہا: ضرور۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بتاتے تھے کہ وہ ان صاحب کے ساتھ تین رات رہے۔ انھوں نے نہیں دیکھا کہ وہ قیامِ لیل کے لیے اٹھتے ہوں، سوائے اس کے کہ جب آنکھ کھلتی تو بستر پر لیٹے لیٹے اللہ کو یاد کر لیتے اور تکبیر پڑھتے، یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت ہو جاتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مزید کہا: ہاں، اور سوائے اس کے کہ میں نے ان کو صرف بھلی بات بولتے سنا۔ جب تین راتیں گزر گئیں، اور مجھے ان کا عمل کچھ بھی نہ لگا، تو میں نے ان سے کہا: اے اللہ کے بندے، میری اپنے باپ سے نہ ناراضگی ہوئی تھی اور نہ ترکِ تعلق۔ میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ آپ کے بارے میں یہ کہتے سنا کہ "ابھی تمہارے پاس ایک ایسا آدمی آئے گا جو اہلِ جنت میں سے ہے"۔ تینوں بار آپ ہی آئے۔ میں نے سوچا کہ میں کچھ وقت آپ کے پاس رہوں اور دیکھوں کہ آپ کیا خاص عمل کرتے ہیں۔ اسی لیے میں آپ کے پیچھے پیچھے آیا۔ لیکن میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا۔ اب آپ بتائیے، وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا جو رسول اللہؐ نے بیان فرمایا؟ انھوں نے کہا: جو کچھ تم نے دیکھا، اس کے علاوہ تو کچھ بھی نہیں کرتا۔

میں (اجازت لے کر) چلنے لگا، تو انھوں نے مجھے پکارا، اور کہا: جو تم نے دیکھا، اس کے علاوہ تو کچھ نہیں ـــ مگر ہاں، میں کسی بھی مسلمان کے لیے اپنے دل میں کوئی برائی اور مَیل نہیں رکھتا، نہ میں کسی سے، اس پر جو اسے اللہ نے دیا ہے، حسد کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: بس یہی وہ کمال ہے جو آپ کو حاصل ہے۔ (احمد)

ہر مسلمان بھائی کی طرف سے سینہ صاف رکھنا، کوئی عداوت، کوئی کدورت، یا برائی دل میں نہ رکھنا، اور اس سے حسد نہ کرنا ـــ یہ اتنا اونچا عمل ہے کہ تین مرتبہ حضورؐ سے جنت کی بشارت پائی۔

○

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں:

ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، کہ ایک آدمی نے حضرت ابوبکرؓ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ حضورؐ اس کے برا بھلا کہنے کو سنتے، تعجب کرتے، اور مسکراتے رہے۔ جب وہ شخص (باز نہ آیا) اور کہتا ہی چلا گیا، تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کی بعض باتوں کا جواب دیا۔ اس پر نبیؐ کے (چہرے کے) اوپر ناراضگی ظاہر ہوئی، اور آپؐ وہاں سے اٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کے پیچھے پیچھے گئے اور عرض کیا: یارسول اللہؐ، وہ شخص مجھے بُرا بھلا کہہ رہا تھا، اور آپؐ تشریف فرما رہے۔

جب میں نے اس کی بعض باتوں کا جواب دیا' تو آپؐ ناراض ہو گئے اور اٹھ گئے؟

حضورؐ نے فرمایا: (ابوبکرؓ) تمہارے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو اس کو جواب دے رہا تھا۔ جب تم نے خود اس کو جواب دینا شروع کر دیا' تو شیطان بیچ میں کود پڑا۔

حضورؐ نے یہ بھی فرمایا: جس بندہ پر ظلم کیا جائے' اور وہ صرف اللہ کی رضا کی خاطر خاموش رہے' اللہ اس کی زبردست مدد کرتا ہے (احمد' ابوداؤد' مشکوٰۃ)۔

لوگ برا بھلا منہ پر بھی کہتے ہیں' پیٹھ پیچھے بھی۔ اور آج کل تو لکھتے بھی ہیں' اور سینکڑوں ہزاروں تک پہنچا دیتے ہیں' فوٹوکاپی کر کے یا اخبار رسالوں میں چھپوا کر۔ اللہ کی رضا کی خاطر صبر اور خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر روش ہے' کہ فرشتوں کے ذریعہ نصرت کا مستحق بناتی ہے۔ آدمی جواب دینے پر اتر آئے تو کہیں نہ کہیں کوئی شیطانی بات سرزد ہونے کا غالب امکان ہے۔

○

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک آدمی جنگل میں کھڑا تھا۔ اس نے اوپر بادل میں سے ایک آواز سنی جا' اور فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر۔ (اس نے دیکھا کہ) وہ بادل ایک جانب بڑھا' اور ایک پتھریلی زمین پر پانی برسایا۔ وہ پانی چھوٹی چھوٹی نالیوں میں بہنے لگا' اور پھر سب ایک نالے میں جمع ہو گیا۔

وہ آدمی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ پانی کہاں جاتا ہے نالے کے ساتھ ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا' جو اس پانی کو اپنے باغ میں بیلچے سے اِدھر اُدھر پھیلا رہا تھا۔

اس آدمی نے (باغ والے سے) پوچھا: اے بندۂ خدا' تیرا نام کیا ہے؟

باغ والے نے کہا: میرا نام فلاں ہے (یعنی وہی نام بتایا' جو اس نے بادل میں سے سنا تھا)۔

پھر اس نے سوال کیا: اے خدا کے بندے' تو نے میرا نام کیوں پوچھا؟

اس آدمی نے جواب دیا: میں نے بادل میں سے' جس کا یہ پانی ہے' آواز سنی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر' (یعنی تیرا نام لیا)۔ تو اپنے باغ میں ایسا کون سا نیکی کا کام کرتا ہے؟ (کہ بادل کو تیرا نام لے کر حکم ہوا کہ تیرے لیے پانی برسائے)۔

باغ والے نے کہا: تو نے یہ بات بتائی ہے تو میں بھی بتاتا ہوں۔ جو کچھ میرے باغ میں پیدا ہوتا ہے' میں اس کا ایک تہائی صدقہ کر دیتا ہوں' ایک تہائی اپنے اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہوں' اور ایک تہائی اسی باغ میں (اس کی ترقی کے لیے) لگا دیتا ہوں (مسلم)۔

اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے کہ آدمی راہِ خدا میں خرچ کرے' اور اتنا ہی کرے' جتنا دنیا کے لیے کرتا ہے۔

اسی طرح اسے یہ بھی محبوب ہے کہ طلبہ پر بھی خرچ کرے، اور اپنے ذریعہ معاش میں ترقی کے لیے سرمایہ کاری بھی کرے۔ پھر آسمان سے بھی برکتوں کی بارش ہوتی ہے، جس سے پیداوار پھلتی پھولتی ہے۔

○

حضرت ابوہریرہؓ (مزید) بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک آدمی نے سوچا کہ میں آج ضرور کچھ خیرات کروں گا۔ چنانچہ وہ رات کو صدقہ دینے کے لیے مال لے کر نکلا، مگر (اندھیرے کی وجہ سے) ایک چور کے ہاتھ میں دے آیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں میں چرچا ہوا، کہ آج رات ایک چور کو خیرات دی گئی۔

اس آدمی نے (یہ سنا تو) کہا: اے میرے اللہ، حمد تیرے ہی لیے ہے، کہ صدقہ ایک چور کو مل گیا! اب آج رات میں پھر خیرات کروں گا۔

چنانچہ وہ پھر صدقہ دینے کے لیے نکلا، مگر اب کے ایک بدکار عورت کے ہاتھ پر رکھ آیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں میں پھر چرچا ہوا، کہ آج رات ایک بدکار عورت کو خیرات دی گئی۔ اس آدمی نے (یہ سنا تو) کہا: اے میرے اللہ، حمد تیرے ہی لیے ہے کہ صدقہ ایک بدکار عورت کو مل گیا! اب آج رات میں پھر خیرات کروں گا۔

(تیسری رات) وہ پھر نکلا، مگر اب کے صدقہ ایک دولت مند شخص کو دے آیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں میں پھر چرچا ہوا، کہ آج رات ایک دولت مند شخص کو خیرات دی گئی۔ اس آدمی نے (یہ سنا) تو کہا: اے میرے اللہ، ساری حمد تیرے ہی لیے ہے کہ صدقہ کبھی ایک چور کو، کبھی ایک بدکار عورت کو، اور کبھی ایک دولت مند کو مل گیا!

اسے خواب میں بتایا گیا: تیرے سارے صدقات قبول ہو گئے۔ ممکن ہے کہ جو صدقہ تو نے چور کو دے دیا وہ اسے چوری سے باز رکھے، جو تو نے ایک بدکار عورت کو دے دیا، وہ اسے بدکاری سے باز رکھے، اور جو تو نے دولت مند کو دے دیا، اس سے وہ عبرت پکڑے، اور جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے، اس میں سے خرچ کرے (بخاری، مسلم)۔

مال دینا، مٹھی بھر بھر کے دینا، صرف اللہ کی رضا پر نظر رکھتے ہوئے دینا، اور اپنی دانست میں غلط جگہ بھی چلا جائے تو دیتے رہنا --- یہی اللہ کو محبوب ہے۔ نہ یہ کہ تحقیق کرنے پر تلے رہنا، اور غلط آدمی کو چلا جائے تو کف افسوس ملنا، یا کسی ایسے دینی کام میں دینا جو اپنی مرضی کے مطابق نہ ہو، یا اس کے نتائج اپنی پسند کے مطابق نہ نکلیں، تو کہنا کہ میرے پیسے ضائع ہو گئے۔

نبوتِ محمدیؐ کا عالمی مشن

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالمِ پیر مر رہا ہے

خرم مراد

عالمی مشن اور امتِ مسلمہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے، اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول اور نبی بھیجے وہ سب صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے۔ یہاں تک کہ، حضورؐ سے قبل آنے والے آخری رسول، سیدنا مسیح علیہ السلام بھی، جن کی دعوت کو ان کے پیروکاروں نے ایک عالمی دعوت بنا دیا ہے، صرف بنی اسرائیل کے لیے آئے تھے۔ عیسائیوں کے پاس جو انجیل اب رہ گئی ہے، اس میں ان کا یہ واضح اعلان موجود ہے کہ "میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنے کے لیے آیا ہوں۔"

حضورؐ اگرچہ ہاشمی و قریشی تھے، عرب تھے، اور یہی لوگ آپ کے اوّلین مخاطب تھے، لیکن آپؐ خاتم النبین بھی تھے۔ خاتم النبین کے مقام کا یہ فطری تقاضا تھا کہ آپؐ کی بعثت نہ صرف اپنے زمانہ میں سارے عالم اور سارے انسانوں کی طرف ہو، بلکہ رہتی دنیا تک بھی ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے آپؐ ہی اللہ کے رسول ہوں۔ گویا آپؐ کی دعوت اور مشن اور آپؐ کا برپا کیا ہوا انقلاب سارے عالم اور ساری انسانیت پر محیط ہو۔

دنیا میں کتابِ الٰہی ہونے کی دعوے دار کتابوں میں قرآن مجید وہ واحد کتاب ہے جو اپنے لانے والے کے عالمی مشن کا اعلان واشگاف الفاظ میں کرتی ہے۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا، اے نبیؐ، کہو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں (الاعراف ۷:۱۵۸)، تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا، نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا ہے تاکہ سارے جہان والوں کے لیے خبردار کر

دینے والا ہو (الفرقان ۲۵: ۱)' وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا' اور (اے نبیؐ) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے (سبا ۳۴: ۲۸)' اور وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ' اے نبیؐ! ہم نے تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے (الانبیا ۲۱: ۱۰۷)۔

آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی نبوت کے مشن کی وارث اور امین امتِ مسلمہ بنائی گئی ہے۔ یہ امت کبھی بھی' اور کسی بھی صورت میں' نہ نبوتِ محمدیؐ کے عالمی مشن کو نظرانداز کر سکتی ہے' نہ اس سے دست کش ہو سکتی ہے' اور نہ کارِ جہاں دوسروں پر چھوڑ کر خود کو اپنے لیے وقف کر سکتی ہے۔

حضورؐ کی عالمی نبوت کا یہ فطری تقاضا تھا کہ ساری دنیا میں آپؐ کو غلبہ و تمکن حاصل ہو' اس لیے کہ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ' اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسولؐ ہی غالب ہو کر رہیں گے (المجادلہ ۵۸: ۲۱)۔ اور یہ ضروری تھا کہ اس غلبہ کے لیے آپؐ جہاد کریں' اور' وعدۂ الٰہی کے مطابق' آپؐ کو فتح عنایت کی جائے' اور خلافتِ ارضی آپؐ کی امّت کے سپرد کی جائے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ' اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ' جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا (النور ۲۴: ۵۵)۔

سیرت النبیؐ کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک ورق اس بات پر گواہ ہے کہ نبوّت کے روزِ اوّل ہی سے آپؐ کی نظریں اپنے عالمی مشن پر تھیں' اپنی اُمت کی نگاہیں بھی آپؐ نے اسی افق پر جمائیں' اور آپؐ کو سارے عالم پر اپنی فتح اور غلبہ کا یقین کامل تھا۔

ولادتِ نبویؐ سے قبل

ولادتِ نبویؐ سے قبل ہی ساری کائنات میں آپؐ کی آمد آمد کا چرچا تھا' ہر طرف آپؐ کے نشانات عیاں تھے' اور آپؐ کی بعثت کے لیے کائناتی سطح پر زبردست تیاریاں کی جارہی تھیں۔ بخاریؒ اور مسلمؒ بیان کرتے ہیں کہ "ستاروں کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہوا' جن اور شیاطین اوپر چڑھنے سے روک دیے گئے' ٹوٹنے والے ستاروں کی بھرمار ہو گئی' کاہنوں اور عاملوں کی خبر رسانی کے ذرائع بند ہو گئے' اور ان باطل پرستیوں کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کردیا گیا۔ اس آسمانی انقلاب نے جنوں اور شیطانوں کی محفلوں میں حیرت برپا کردی۔ سب نے کہا' یقیناً روئے زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے۔ دنیا کی ہر سمت کو انھوں نے چھان مارا (شبلی نعمانیؒ و سلیمان ندویؒ' سیرت النبیؐ' ج ۳' ص ۵۷۴)۔ ادھر' آپؐ طائف کی بستیوں میں زندگی کا سخت ترین دن گزار کر

واپس آرہے تھے' اس کا علم نہ تھا کہ اب آسمانوں کا سفر ہوگا اور رب اپنے پاس بلا کر عزت کے اعلیٰ ترین مقام پر سرفراز کرے گا' کہ وادی نخلہ میں جنات حاضر ہوئے' قرآن سنا' ایمان لائے' اور عرصہ سے کائناتی سطح پر آپؐ کے استقبال کی تیاریوں کا جو مشاہدہ کررہے تھے اسے یوں بیان کیا:

انسان بھی وہی سمجھتے تھے جو تم سمجھتے تھے کہ اب اللہ کوئی رسول نہ بھیجے گا۔ ہم نے آسمان کو خوب ٹٹولا' دیکھا کہ وہ پہرے داروں سے پٹا پڑا ہے اور ٹوٹنے والے تاروں کی بارش ہورہی ہے۔ پہلے ہم سن گن لینے کے لیے آسمانوں میں بیٹھنے کی جگہ پالیتے تھے' مگر اب جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرتا ہے' تو اپنی تاک میں ٹوٹنے والے ستارہ کو پاتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس انقلاب سے زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے' یا ان کا رب ان کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے۔ (الجن ۷۲: ۷-۱۰)

ابھی آپؐ شکمِ مادر میں تھے کہ حضرت آمنہ کو آپؐ کی دعوت چار دانگ عالم میں پھیلنے کی بشارت دی گئی۔ روایات میں ہے کہ صحابہؓ نے ایک دفعہ حضورؐ سے کہا کہ اپنا حال بیان فرمایئے۔ فرمایا کہ "میں اپنی ماں کا خواب ہوں۔ میری ماں نے' جب میں پیٹ میں تھا' خواب دیکھا کہ ان کے بدن سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محل روشن ہوگئے۔" پھر یہ آیت پڑھی: "اے نبیؐ" ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر' بشارت دینے والا اور آگاہ کرنے والا' اللہ کی اجازت سے اس کی طرف بلانے والا' اور روشن چراغ بنا کر" (الاحزاب ۳۳: ۴۵) (شبلی' ایضاً' ص ۱۳۸)۔

عبدالمطلب نے آپؐ کی ولادت سے پہلے ایک خواب دیکھا کہ ان کی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی جس کی ایک جانب آسمان میں اور ایک جانب زمین میں' اور ایک جانب مشرق میں اور ایک جانب مغرب میں' ہے۔ کچھ دیر بعد وہ زنجیر درخت بن گئی' جس کے ہر پتا پر ایسا نور ہے جو آفتاب کے نور سے ستر درجہ زیادہ ہے' اور مشرق و مغرب کے لوگ اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے ہیں۔ تعبیر دینے والوں نے بتایا کہ تمہاری نسل سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ مشرق سے لے کر مغرب تک کے لوگ اس کا اتباع کریں گے۔ (ادریس کاندھلوی' سیرت المصطفیٰ' ج ۱' ص ۴۲)

ولادتِ نبویؐ

ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جو پیش آیا اس کا بیان سیرت نگار یوں کرتے ہیں:
"ایوانِ کسریٰ میں زلزلہ آیا جس سے محل کے چودہ کنگرے گر گئے' فارس کا آتش کدہ جو ہزار سال سے روشن تھا وہ بجھ گیا' اور دریائے ساوہ خشک ہوگیا" (محمد ادریس کاندھلوی' سیرت المصطفیٰ'

ج ۱' ص ۵۵)۔ بعض روایات یہ کہتی ہیں ایسا واقعتا ہوا' لیکن اگر استعارہ کی زبان بھی ہو' (اس لیے کہ آخر یہ استعارہ کیوں اختیار کیا گیا) تو یہ پیغام محمدیؐ کے عالم گیر غلبہ کی شہادت ہے۔ شبلی نعمانیؒ کے الفاظ میں "سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں' بلکہ شانِ عجم' شوکتِ روم' اوجِ چین کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتشِ فارس نہیں' بلکہ جحیم شر' آتش کدۂ کفر' آذر کدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی' بت کدے خاک میں مل گئے' شیرازہ مجوسیت بکھر گیا' نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کرکے جھڑ گئے" (ایضاً' ص ۱۷۰)۔

نبوت کا مکی دور

مکہ میں حضورؐ غارِ حرا سے اتر کر سوئے قوم آئے' اور نسخۂ کیمیا ساتھ لائے' تو اہلِ مکہ نے وہی کیا جس کی پیش گوئی ورقہ بن نوفل نے کردی تھی۔ سارا مکہ مخالفت پر کمر باندھے ہوا تھا' سارے عالم کا کیا سوال کہ وہ ناآشنا تھا۔ حضورؐ یکہ و تنہا تھے' جو ساتھ تھے وہ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی آپؐ کا پیغام یہی تھا کہ آپؐ کی دعوت میں دنیا کی بھی بھلائی ہے اور آخرت کی بھی' اور اسی دعوت میں امامتِ عالم مضمر ہے۔

خاندان بنی ہاشم کی ضیافت کی' تو فرمایا کہ "تم اگر میری یہ دعوت قبول کرلو جو میں لایا ہوں' تو اس میں تمہاری دنیا کی بھی بھلائی ہے' اور آخرت کی بھی" (ابن ہشام' ج ۱' ص ۳۲۶)۔

اس ہی ابتدائی دور میں حضورؐ کی دعوت کی بنیاد ایک ہی بات تھی کہ "لا الہ الا اللہ مان لو' فلاح یاب ہو جاؤ گے۔" مگر ساتھ ہی آپؐ فرماتے'

> کلمۃ واحدۃ ' تعطونیھا' تملکون بھا العرب وتدین لکم بھا العجم (ابن ہشام)
>
> بس یہ ایک کلمہ ہے۔ اسے اگر مجھ سے قبول کرلو' تو اس کے ذریعہ سارے عرب پر حکومت کرو گے اور سارا عجم تمہارے پیچھے چلے گا۔

"حضور کی دعوت کے سلسلہ میں "عرب و عجم کے اقتدار" کا چرچا اتنا عام ہوگیا تھا جیسے کہ وہ تحریکِ اسلامی کا سلوگن ہو۔ بچے بچے کی زبان پر یہ بات رہتی تھی' حتیٰ کہ مخالفین نے اسی کو بنائے طنز بنا لیا تھا۔ اسلام کے سائے میں جو غلام اور غریب طبقوں کے نوجوان آ آ کے جمع ہو رہے تھے' اور جن کو قریش تشدد کے کولہو میں پیس رہے تھے' ان کو دیکھتے تو اشارے کر کرکے طنزاً کہتے "کہ واہ کیا کہنے ہیں ان ہستیوں کے' یہ ہیں جو عرب و عجم کے حکمراں اور سردار بننے والے ہیں۔

"طنز و تمسخر اور مخالفت و مزاحمت کے سارے طوفان اٹھانے کے باوجود' قریش کے سمجھ دار

لوگ دل کی گہرائیوں میں یہ ضرور محسوس کرتے تھے کہ یہ دعوت کوئی معمولی چیز نہیں' بلکہ اس سے بڑے بھاری نتائج پیدا ہونے والے ہیں" (نعیم صدیقی' محسن انسانیت' ص ۳۵)۔

ایسے ہی وقت میں' جب ان مٹھی بھر لوگوں پر' جو دنیا و آخرت میں جہانِ نو کی تعمیر کے لیے محمد رسول اللہؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دے رہے تھے' شدید ترین مظالم توڑے جا رہے تھے' خباب بن الارتؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا' آپؐ اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے؟ یہ وہ خباب بن الارتؓ ہیں جن کی ننگی پیٹھ انگاروں پر لٹائی جاتی تھی' یہاں تک کہ چربی پگھل پگھل کر ان انگاروں کو بجھا دیتی تھی۔ کہتے ہیں کہ حضورؐ سر کے نیچے کملی رکھے کعبہ کے سایہ میں لیٹے ہوئے تھے' یہ سن کر اٹھ کر بیٹھ گئے' آپؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا' اور فرمایا: "جو لوگ تم سے پہلے تھے' ان کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا تھا' انھیں اس گڑھے میں ڈالا جاتا تھا' پھر آرا لایا جاتا تھا' اور چیر کر ان کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے' لیکن یہ بھی انھیں اپنے دین سے نہ ہٹا سکتا۔ اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کے جسم کا گوشت ہڈیوں سے کاٹ کر الگ کر دیا جاتا تھا' مگر یہ بھی انھیں اپنے دین سے نہ ہٹا سکتا۔ خدا کی قسم! اللہ میرے اس کام کو مکمل کر کے رہے گا' یہاں تک کہ ایک تنہا سوار صنعاء (یمن) سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا' یا یہ کہ اپنی بکریوں کے بارہ میں بھیڑیئے کا ڈر ہو۔ لیکن' بس تم جلدی کرتے ہو" (بخاری)۔

جب تقریباً سارا مکہ آپؐ کے خلاف صف آرا تھا' اس وقت بھی مکہ میں دعوتِ اسلامی کا غلبہ آپؐ کے پیشِ نظر تھا' اور آپؐ کو اس کے حصول پر یقینِ کامل تھا۔ عثمان بن طلحہ کے پاس خانہ کعبہ کی چابی رہتی تھی۔ حضورؐ نے اس سے کعبہ کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس وقت حضورؐ نے فرمایا: ایک دن آنے والا ہے جب کہ یہ کنجی خود ہمارے ہاتھ میں ہوگی' اور ہم جسے چاہیں گے اسے دے دیں گے (نعیم صدیقی' ایضاً' ص ۳۷' بحوالہ قسطلانی' المواہب اللدنیہ)۔ فتح مکہ کے دن آپؐ نے جو یہ چابی اس کے سپرد کی تو' آج تک اسی کے خاندان کے پاس چلی آ رہی ہے۔

آپؐ کی امامتِ عالم سے بہت قبل' اللہ تعالیٰ نے تمام ادیان و مذاہب کی امامت آپؐ کے سپرد فرما دی۔ چنانچہ طائف سے واپسی اور ہجرت سے قبل' اس نے آپؐ کو آسمانوں پر اپنے پاس بلایا' راہ میں بیت المقدس کی منزل مقرر کی' اور آپؐ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا۔ حضورؐ نے براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیا کرام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے' مسجد

میں داخل ہوئے' اور دو رکعت نماز پڑھی (مسلم)۔ حضورؐ بیان فرماتے ہیں کہ صفیں بندھی ہوئی تھیں' جبریلِ امینؑ نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوگیا تو جبریلؑ نے پوچھا' آپؐ کو معلوم ہے کہ آپؐ نے کن لوگوں کو نماز پڑھائی؟ میں نے کہا' مجھے نہیں معلوم۔ انھوں نے کہا' جتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں سب نے آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی۔ (ابنِ ابی حاتمؒ' احمدؒ' ابنِ اسحاق)۔ بعض روایات کے مطابق آپؐ نے معراج سے واپسی پر انبیا کی امامت فرمائی۔

سفرِ ہجرت

جب مکہ کے لوگوں نے آپؐ کی دعوت کا حامل بننے سے انکار کردیا' سردارانِ مکہ آپؐ کو قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگے' مگر یثرب سے آنے والوں نے آپؐ کے لیے اپنے دل اور شہر کے دروازے کھول دیے' اور آپؐ کے مشن کی کامیابی کے لیے جان و مال قربان کردینے کا عہد کرلیا' تو آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو یثرب کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ یثرب کے مقدر میں ازل سے مدینہ النبیؐ بننے کا اعزاز لکھا ہوا تھا۔ بالآخر' ایک رات جب سردارانِ قریش نے آپؐ کو قتل کرنے کے لیے آپؐ کے گھر کو گھیر لیا' تو آپؐ بھی ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر' ابوبکرؓ کے ہمراہ' راتوں رات مدینہ کی طرف چل پڑے۔ قریش نے جب صبح آپؐ کو نہ پایا' تو آپؐ کی تلاش میں کونہ کونہ چھان مارا' ناکام ہونے کے بعد انھوں نے یہ اشتہار دیا کہ جو شخص محمدؐ یا ابوبکرؓ کا سر لائے' یا گرفتار کرکے لائے' ہر ایک کے معاوضہ میں سو اونٹ کا انعام اسے دیا جائے گا۔

سراقہ بن مالک بن جعشم کو آپؐ کی سن گن مل گئی۔ اس نے سوچا کہ کوئی اور انعام نہ لے جائے۔ چنانچہ مجلس سے اٹھا' باندی سے کہا کہ گھوڑے کو فلاں ٹیلے کے پیچھے لے جاکر کھڑا کر دے' نیزہ لیا' خاموشی سے گھر کے پیچھے سے نکل گیا' گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے سرپٹ دوڑاتا ہوا آپؐ کے سر پر پہنچ گیا۔ آپؐ نے دعا فرمائی' سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ اس نے امان طلب کی۔ آپؐ کے حکم سے عامر بن فہیرہؓ نے چمڑے کے ٹکڑے پر معافی کی سند لکھ دی۔

حضورؐ اس طرح سفر فرما رہے تھے کہ اوپر آسمان تھا نیچے زمین' پیچھے مکہ کے سردار اور انعام کے لالچی آپؐ کے تعاقب میں تھے' آگے مدینہ ابھی بہت دور تھا' کوئی لشکر ساتھ نہ تھا' صرف ابوبکرؓ تھے۔ اس حالت میں بھی آپؐ کو اپنی دعوت کی عالمی نوعیت کا شعور تھا' اور اس کے غلبہ کا یقین تھا۔ چنانچہ آپؐ نے سُراقہ سے فرمایا "اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا۔"

ہجرتِ مدینہ بظاہر تاریخ کے طویل سفر میں ایک قدم اور ایک لمحہ کے برابر تھی' لیکن مبرز،

الٰہی میں یہ امامتِ عالم کی منزل کی طرف ایک جست تھی۔

نبوّت کا مدنی دور

مدینہ میں بھی' جب دشمن ہر طرف سے اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے امنڈ امنڈ کر آ رہا تھا' نہ کثرت اعوان و انصار تھی نہ سازوسامان' یہودی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی کوششوں میں مصروف تھے' آپؐ کے سامنے اپنی دعوت کا عالمگیر پہلو' اور بالآخر اس کا غلبہ روزِ روشن کی طرح عیاں تھا۔

سب سے سخت وقت غزوۂ احزاب کا وقت تھا۔ مدینہ کی ننھی منی بستی کو عرب کے سارے دشمنوں کے لشکرِ جرار نے گھیر رکھا تھا۔ جاڑوں کا موسم تھا' سرد ہوائیں چل رہی تھیں' کئی کئی دن کا فاقہ تھا۔ درمیان میں صرف چند گز چوڑی اور چند گز گہری ایک خندق حائل تھی' جسے بیس دن میں تین ہزار متبرک ہاتھوں نے کھودا تھا۔ حضورؐ خود بھی ان میں شامل تھے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ پتھر کھودتے کھودتے ایک سخت چٹان آگئی' کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی۔ ہم نے حضورؐ سے عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا' ٹھہرو' میں خود اترتا ہوں۔ رسول اللہؐ اترے' تین دن کا فاقہ تھا' پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا' ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی۔ آپؐ نے دستِ مبارک میں کدال پکڑی اور پہلی بار بسم اللہ کہہ کر چٹان پر ماری تو وہ ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپؐ نے فرمایا' اللہ اکبر' مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا ہوئیں' اور خدا کی قسم شام کے سرخ محلوں کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ پھر آپؐ نے دوسری بار کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ اکبر' فارس (ایران) کی کنجیاں مجھے عطا ہوئیں' اور خدا کی قسم مدائن کے سفید محل اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تیسری بار آپؐ نے۔ پھر بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ آپؐ نے فرمایا' اللہ اکبر' یمن کی کنجیاں مجھے عطا ہوئیں' اور صنعا کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے اس جگہ کھڑا دیکھ رہا ہوں (ادریس کاندھلوی' احمد' نسائی)۔

غزوۂ احزاب کا وقت' اور مستقبل کا یہ منظرنامہ! لوگ مجنوں کہتے تھے' تو شاید مجبور تھے۔

غزوۂ احزاب کے موقع ہی پر نہیں' جس طرح مکہ میں "عرب و عجم کا اقتدار" گفتگوؤں کا موضوع تھا' اسی طرح مدینہ میں قیصروکسریٰ' حبش و یمن' مصرواستنبول' بحروبر' ترک ویورپین' ابیض و اسود ـــــ سب پر نبوتِ محمدیؐ کا غلبہ بشارتوں کا موضوع رہتا تھا۔

عین اس وقت جب کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں پورے جاہ و جلال سے دنیا میں حکمراں تھیں

جس طرح آج امریکہ ہے' اور بظاہر ان کی بربادی کے کوئی آثار نہ تھے' مکہ کے منادیِ حق نے' جنھیں اپنی نبوت کی تکمیل کا علم دیا گیا تھا' فرمایا: "اذا هلک کسری فلا کسری بعده' اذا هلک قیصر فلا قیصر بعده' لتنفقن کنوز هما فی سبیل الله' جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا' اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا' اور تم ان کے خزانے راہ خدا میں خرچ کرو گے" (شبلی نعمانی' ایضاً' ج ۳' ص ۱۱۷)۔

فرمایا:

یمن فتح ہوگا' تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے' اور اہل و عیال' اور جو ان کا کہا مانیں گے' ان کو لے کر آئیں گے (مسلم)۔

تم عنقریب شام کی طرف ہجرت کرو گے' تو وہ تمھارے لیے فتح کردیا جائے گا (احمد)۔

عراق مفتوح ہوگا' اور لوگ وہاں بھی اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے' اہل و عیال کو لے کر آئیں گے (مسلم)۔

تم عنقریب مصر فتح کرو گے' جہاں کا قیراط مشہور ہے۔ جب اس کو فتح کرلو تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا' کیونکہ تمھارے ان کے درمیان رشتہ ہے (مسلم)۔

قیامت سے پہلے چند واقعات گن رکھو: ایک میری موت' پھر بیت المقدس کی فتح (بخاری)۔

ہندوستان کی فتح کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا: "میری امت کے دو گروہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ آتشِ دوزخ سے بچائے گا۔ ایک وہ جو ہندوستان کے غزوہ میں شریک ہوگا" (نسائی)۔

فتح قسطنطنیہ کی' جو یورپ کا دروازہ ہے' متعدد بشارتیں دیں۔ ایک دفعہ فرمایا' تم لوگ یقیناً قیصر کے خزانوں پر متصرف ہوگے (بخاری' مسلم)۔ اور فرمایا' میری امت کی ایک جماعت بحرِ اخضر (یعنی بحرِ روم جس کے ساحل پر قسطنطنیہ ہے) میں جہازوں پر سوار ہوگی (بخاری)۔ فرمایا' تم لوگ بلاشبہ قسطنطنیہ فتح کرو گے' تو اس کا حاکم کتنا اچھا حاکم ہوگا' اور وہ فوج کیسی اچھی فوج ہوگی (احمد)۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں جب مسلمانوں کا پہلا لشکر بحرِ روم میں جہاز ڈال کر قسطنطنیہ کے فصیل تک پہنچتا ہے' تو ابوایوب انصاریؓ کو نبوتِ محمدیؐ کی اس بشارت پر اتنا یقین تھا' کہ انھوں نے تاکید کی کہ وہ شہید ہو جائیں تو انھیں فصیل سے جتنا قریب ممکن ہو دفن کیا جائے۔ ابوایوب انصاریؓ کا جسدِ خاکی ساڑھے سات سو سال منتظر رہا' مگر محمد فاتح کے ہاتھوں بشارتِ نبویؐ کا ظہور ہو کر رہا۔

حاتم طائی کے بیٹے عدیؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک شخص نے آکر فقروفاقہ کی

شکایت کی' دوسرے نے ڈاکوں کی۔ وہ بیان کرتے ہیں' کہ آپؐ نے فرمایا' عدیؓ تم نے حیرہ (کوفہ کے قریب) دیکھا ہے؟ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک عورت تنہا حیرہ سے سفر کرے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی' اور خدا کے علاوہ اسے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ کہتے ہیں' میں نے دل میں سوچا کہ میرے قبیلہ طے کے ڈاکو کہاں جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا' اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کے خزانے فتح کرلیے جائیں گے۔ میں نے کہا' کسریٰ بن ہرمز؟ فرمایا "ہاں' کسریٰ بن ہرمز۔ اور اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک آدمی مٹھی بھر سونا یا چاندی نکالے گا اور ایسے شخص کو تلاش کرے گا جو اس کی یہ خیرات قبول کرے' مگر اسے ایک شخص بھی ایسا نہ ملے گا۔

عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں کہ میں نے حیرہ سے خانہ کعبہ تک عورت کو سفر کرتے دیکھا' اس حال میں کہ اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا۔ اور' میں ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے کسریٰ کے خزانے فتح کیے۔ اگر تم زندہ رہے تو ابوالقاسمؐ کے تیسرے ارشاد کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔

عالمی دعوت کی طرف عملی اقدام

فریضۂ نبوت کی تکمیل کے لیے' عالمی دعوت کے لیے حضورؐ بڑی عجلت میں تھے۔ غزوۂ احزاب کے ایک ہی سال بعد آپؐ عمرہ کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ داخل نہ ہو سکے' لیکن صلح حدیبیہ کی شکل میں ایک ایسا معاہدہ کرکے واپس تشریف لائے' جسے قرآن نے فتحِ مبین قرار دیا۔ ذوقعدہ' ۶ھ میں مدینہ پہنچنے کے بعد ایک ہی ماہ میں آپؐ نے گردوپیش کے سارے حکمرانوں اور بادشاہوں کو' ذاتی سفیروں کے ذریعہ' خطوط ارسال کر دیے' اور ان کو دعوتِ اطاعت دی۔ ان میں قیصرو کسریٰ بھی تھے' اور چھوٹی چھوٹی مملکتوں کے حکمراں بھی۔

ایک دن آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کیا' اور خطبہ دیا: "اَيُّهَا النَّاسُ' اللہ نے مجھے تمام عالم کے لیے رسول اور رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو' عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ جاؤ' میری طرف سے تمام دنیا کو پیغامِ حق پہنچا دو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا"۔ ابھی مکہ فتح نہیں ہوا تھا' ابھی عرب زیرِ نگیں نہ آیا تھا' ابھی يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کا سماں نہ بندھا تھا' ابھی مسلمان کسی عسکری مقابلہ کے لیے تیار نہ تھے' لیکن آپؐ نے ایک دن کی بھی تاخیر کے بغیر اپنے عالمی مشن کی تکمیل کے لیے یہ اہم قدم اٹھالیا۔ اس سے بڑھ کر نبوت کے مشن کی عالمی نوعیت پر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے!

قیصر نے' مکتوبِ نبویؐ ملنے کے بعد' ابوسفیانؓ سے مکالمہ اور تحقیقِ حال کے بعد کہا: "اگر یہ

تمام چیزیں، جو تم نے بیان کی ہیں، صحیح ہیں، تو وہ بلاشبہ سچا نبی ہے، اور عنقریب وہ اس جگہ کا مالک ہوگا جہاں میرے یہ دونوں قدم ہیں (بخاری)۔

آج کی دنیا

آج بھی عالمِ پیر مر رہا ہے، اور جہانِ نو نبوتِ محمدیؐ کا منتظر ہے۔

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے غلبہ، اور اپنے لشکروں کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا یہ وعدہ آج بھی برحق ہے۔ آج بھی اگر امتِ محمدیہ، نبوتِ محمدیؐ کے عالمگیر مشن کو پورا کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہو، میدان میں اتر پڑے، تو خدا کا وہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لآ اِلٰہ اِلاّ اللہ

[میں برادرم مستفیض الرحمن علوی کا شکرگزار ہوں، جنھوں نے اس مضمون کے لیے کتبِ سیرت کے حوالے جمع کیے۔ (خ - م)]

محاسبۂ نفس

نفس کو نصیحت و ملامت

افادات امام غزالیؒ

اچھی طرح جان لو کہ آدمی کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے' جو اس کے اندر گھسا ہوا بیٹھا ہے۔ یہی نفس اسے برائی اور گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی نفس کے تزکیہ اور اسے راہ راست پر رکھنے کا کام آدمی کے سپرد ہوا ہے۔ پس اگر تم اپنے نفس کی خبر نہ لو گے تو وہ سرکش اور قابو سے باہر ہو جائے گا' اور پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ لیکن اگر تم اسے ملامت کرتے رہو گے تو وہ نفس لوّامہ بن جائے گا۔ بلکہ کیا عجب کہ رفتہ رفتہ نفس مُطمئِنہ بن جائے' اور ان بندگانِ الٰہی میں شامل ہو جائے جو اللہ سے راضی ہوں اور اللہ ان کو راضی کرے۔

دیکھو' کسی وقت بھی اس کو نصیحت اور ملامت کرنے سے غافل نہ رہو۔ بلکہ دوسروں کو نصیحت تب کرو جب پہلے اپنے نفس کو کر لو۔ تم ہمیشہ اس سے یوں کہتے رہا کرو:

اے نفس' ذرا انصاف کر! تو سمجھتا ہے کہ میں بڑا عقل مند ہوں' مگر تیرے برابر بے وقوف کوئی نہ ہوگا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ جنت اور دوزخ تیرے سامنے ہیں' اور تو بہت جلد کسی ایک میں جانے والا ہے۔ پھر تجھے کیا ہوا ہے کہ ہر وقت ہنستا کھیلتا' دنیا میں مگن رہتا ہے؟

کیا تو نہیں جانتا کہ تیرے اوپر موت کا کٹھن وقت آنے والا ہے' آج ہو یا کل؟ جس موت کو تو دُور سمجھتا ہے' اللہ کے نزدیک وہ بہت قریب ہے۔ جس چیز کو آنا ہی ہے وہ قریب ہی ہے۔ کیا تجھے یہ نہیں معلوم کہ موت اچانک ہی آتی ہے۔ نہ کوئی خبر کرنے والا آتا ہے' نہ کوئی پیغام۔ یہ نہیں کہ دن کو آئے رات کو نہ آئے' یا رات کو آئے دن کو نہ آئے۔ یا بچپن میں آئے جوانی میں نہ آئے' جوانی میں آئے بچپن میں نہ آئے۔ موت تو کسی بھی سانس آ جائے گی!

پس تجھے کیا ہوا ہے کہ موت اتنی نزدیک ہے' مگر تو اس کی تیاری نہیں کرتا؟ حالانکہ'

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ (الانبیاء ۲۱: ۱ ـــ ۳)

قریب آگیا ہے لوگوں کے حساب کا وقت، اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس جو تازہ نصیحت بھی ان کے رب کی طرف سے آتی ہے اس کو بہ تکلف سنتے ہیں اور کھیل میں پڑے رہتے ہیں، دل ان کے (دوسری ہی فکروں میں) منہمک ہیں۔

ذرا سوچ! تجھے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جرأت کیوں کر ہوتی ہے؟ اگر تیرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ تجھے نہیں دیکھتا، تو پھر تو یقیناً کافر ہے۔ یا اگر یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، اور پھر اس کی نافرمانی کرتا ہے، تو پھر تو سخت بے حیا ہے۔ اگر تیرا بھائی یا نوکر کوئی ایسی بات کرے جو تجھے بری لگے، تو تو کتنا غصہ کرتا ہے۔ پھر تجھے یہ جرات کیوں کر ہوتی ہے کہ اپنے رب کا غصہ مول لے اور اس کے عذاب سے نہ ڈرے۔

کیا تو سمجھتا ہے کہ اللہ کے عذاب کو برداشت کرسکے گا؟ ہرگز نہیں، یہ بات دل سے نکال دے۔ ذرا ایک گھڑی تیز دھوپ میں کھڑا رہ، یا اپنی انگلی آگ سے قریب کر، تجھے کچھ اپنی طاقت اور حوصلہ معلوم ہو جائے گا۔

کیا تو اس مغالطہ میں پڑ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا کریم اور غفور و رحیم ہے، اسے کسی کی اطاعت کی حاجت نہیں، وہ مجھے بخش دے گا۔ لیکن پھر اپنے دنیا کے کاموں کے لیے کیوں کوشش کرتا ہے، اور اس کے کرم پر نہیں چھوڑ دیتا؟ جب کوئی دشمن تیرے درپے ہوتا ہے تو کیوں اس سے بچنے کے لیے تدبیر کرتا ہے؟ تب کیوں نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مجھے بچا دے گا؟ جب کوئی دنیاوی کام روپے پیسے کے بغیر نہیں ہوتا، تو اس وقت تیرا دم کیوں نکلتا ہے، اور کیوں اسے حاصل کرنے کے لیے ہزار بھاگ دوڑ کرتا ہے؟ اس وقت کرمِ الٰہی پر تیرا اعتماد کہاں چلا جاتا ہے؟ کیوں نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ کوئی خزانہ دے دے گا، یا کسی بندہ کو بھیج دے گا کہ تیرا کام ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر ہو جائے؟ یا، کیا اللہ تعالیٰ صرف آخرت میں کریم ہے، دنیا میں نہیں؟

اے نفس، تیرا نفاق اور جھوٹے دعوے بڑے ہی عجیب ہیں! ذرا دیکھ، تیرا آقا دنیا کے بارہ میں فرماتا ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو (ھود ۱۱: ۶)۔ اور آخرت کے بارہ میں فرماتا ہے: وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔ اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی

ہے (النجم ۵۳ : ۳۹)۔ گویا' تیرے دنیا کے رزق کی ذمہ داری تو اس نے اپنے اوپر لی ہے' اس کا مدار تیری سعی پر نہیں۔ ہاں' آخرت کو تیری کمائی پر منحصر کیا ہے۔ مگر تو اپنے فعل سے اللہ تعالیٰ کو جھوٹا کرتا ہے۔ جس چیز کی ذمہ داری اس نے لے لی ہے' اس پر تو تو پاگلوں کی طرح گرتا ہے' اور جس آخرت کو اس نے تیری سعی پر منحصر کیا ہے' تو اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتا اور اس کے لیے سعی کو حقیر سمجھتا ہے۔ یہ تو نشان ایمان نہیں! اگر زبانی ایمان معتبر ہوتا' تو منافق دوزخ کے سب سے نیچے درجے میں کیوں ہوتا؟

کیا تو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ مرنے کے بعد تجھے بلا حساب لیے ایسے ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ یا تو بچ کر کہیں بھاگ سکے گا؟ ہرگز نہیں! اگر تو ایسا ہی سمجھتا ہے تو تیرے برابر کوئی جاہل نہیں' اور تو پکا کافر ہے۔ پھر کیا تو اس بات کو جھوٹ سمجھتا ہے کہ اللہ مرنے کے بعد تجھے اٹھا کھڑا کرے گا۔ اگر نہیں' تو پھر تو اس کی نافرمانی سے کیوں نہیں بچتا؟

اے نفس' ذرا انصاف کر! اگر ایک کافر ڈاکٹر تجھ سے کہہ دیتا ہے کہ فلاں کھانا تیرے لیے مضر ہے تو تو جی کڑا کر کے اسے چھوڑ دیتا ہے' اور صبر کرتا ہے' اگرچہ وہ بڑا لذیذ کھانا ہو۔ کیا انبیا کا کہنا' جن کو معجزات کی تائید حاصل ہوتی ہے' اور کتاب الٰہی میں اللہ کا فرمان' تیرے لیے اتنا بھی وزن نہیں رکھتا جتنا ایک کافر ڈاکٹر کا قول۔ عقل اور علم کی کمی کے باوجود اس کی بات کا اثر تو ہوتا ہے' مگر اللہ اور اس کے رسولؐ کے کہنے کا نہیں ہوتا۔

اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ اگر ایک بچہ کہتا ہے کہ تیرے کپڑوں میں بچھو ہے' تو تو بغیر دلیل طلب کیے اور بغیر سوچے سمجھے' اپنے کپڑے اتار پھینکتا ہے۔ کیا انبیا کی متفقہ بات تیرے نزدیک اس ناداں بچہ کی بات سے بھی کم وقعت رکھتی ہے؟ یا جہنم کی آگ' اس کی بیڑیاں' اس کے گرز' اس کا عذاب' اس کا زقوم' اور اس کے آنکڑے' اس کے سانپ' بچھو اور زہریلی چیزیں تیرے لیے ایک بچھو سے بھی کم تکلیف دہ ہیں؟ حالانکہ اس کی تکلیف زیادہ سے زیادہ ایک دن یا اس سے کم رہتی ہے؟ یہ عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔ اگر کہیں جانوروں کو تیری حالت کا علم ہو جائے تو وہ تجھ پر ہنسیں اور تیری دانائی کا مذاق اڑائیں۔

پس اے نفس' اگر تجھ کو یہ سب چیزیں معلوم ہیں' اور ان پر تیرا ایمان ہے' تو کیا بات ہے کہ تو عمل میں سستی اور ٹال مٹول سے کام لیتا ہے' حالانکہ موت کمین گاہ میں منتظر ہے کہ وہ بغیر مہلت کے تجھے اچک لے جائے؟ تو کس وجہ سے نڈر ہے کہ وہ جلد نہ آئے گی؟ اگر تجھے سو برس کی مہلت مل بھی گئی ہے' تو کیا تیرا خیال ہے کہ جس کو ایک گھاٹی طے کرنی ہے' اور وہ اس

گھاٹی کے نشیب میں اطمینان سے اپنے جانور کو کھلا رہا ہے' وہ کبھی بھی اس گھاٹی کو طے کر سکے گا ؟ تو نہیں جانتا کہ راستہ سفر کیے بغیر طے نہیں ہوتا' اور کام کیے بغیر انجام نہیں پاتا۔ ایسے شخص کے بارہ میں تیری کیا رائے ہے' جو علم حاصل کرنے کی غرض سے پردیس کا سفر کرے' اور وہاں کئی سال بیکار اور نکما بیٹھا رہے' اور نفس سے وعدے کرتا رہے کہ جس سال وطن واپس ہو گا سب علم حاصل کرے گا؟ تو اس کی عقل پر ہنسے گا کہ یہ بھی عجیب شخص ہے! سمجھتا ہے کہ ایک سال میں سارا علم حاصل ہو جائے گا' یا بغیر علم حاصل کیے توکل کی برکت سے قضا کا منصب ہاتھ آ جائے گا۔

پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آخر عمر کی کوشش مفید ہو سکتی ہے' اور بلند درجات تک لے جا سکتی ہے' تو یہ کیسے معلوم کہ ابھی زندگی باقی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہی آج کا دن تیری عمر کا آخری دن ہو۔ تو آج کے دن ہی سے تو اپنے کام میں کیوں مشغول نہیں ہوتا' اور آج کل' آج کل' کرنے کی کیا وجہ ہے ؟

کیا یہ وجہ ہے کہ تجھے اپنی خواہشات نفس کی مخالفت مشکل معلوم ہوتی ہے' کیونکہ اس میں محنت و مشقت ہے ؟ کیا تو اس دن کا منتظر ہے جب خواہشات کی مخالفت تیرے لیے آسان ہو جائے گی ؟ ایسا دن تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں کیا' اور نہ پیدا کرے گا۔ جنت جب ملے گی' ہمیشہ ناگوار کام کرنے ہی سے ملے گی' اور ناگوار کام کبھی نفس کے لیے آسان نہیں ہو سکتے۔

سوچ تو سہی' کب سے تو روز وعدہ کرتا ہے کہ کل سے یہ کام کروں گا اور کل' کل کرتے' ہر کل' آج ہوتی گئی۔ جب آج ہی نہیں کیا' تو کل کیسے کرے گا؟ تجھے معلوم نہیں کہ جو کل آ چکی ہے' وہ گزشتہ دن کے حکم میں ہے۔ جو کام تو آج نہیں کر سکا' کل اس کا کرنا تیرے لیے اور بھی مشکل ہے' تو اگر آج عاجز ہے تو کل بھی عاجز ہوگا۔

اس لیے کہ خواہش کی مثال ایک تناور درخت کی سی ہے' جس کو اکھاڑے بغیر چارا نہیں۔ اگر سستی کے باعث اسے آج نہ اکھاڑا' اور کل پر رکھا' تو اس کی مثال اس جوان کی سی ہے جس سے ایک درخت نہیں اکھاڑا گیا' تو اس نے اس کام کو دوسرے سال کے لیے ملتوی کر دیا۔ حالانکہ جتنا زمانہ گزرے گا' درخت کی جڑیں مضبوط ہوتی جائیں گی' اور اکھاڑنے والے کی کمزوری اور ضعف میں اضافہ ہوگا۔ جس کو جوان ہو کر نہیں اکھاڑ سکا' اس کو بڑھاپے میں کیا اکھاڑے گا ؟ سرسبز شاخ لچک رکھتی ہے' اور جھکائی جا سکتی ہے۔ جب سوکھ جائے گی' تو اس کا موڑنا ناممکن ہو جائے گا۔

پس اے نفس، اگر تو ان صاف صاف باتوں کو بھی نہیں سمجھتا، اور سستی کرتا ہے، تو تجھے کیا ہوگیا ہے کہ اپنے آپ کو عقلمند سمجھتا ہے۔ اس سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے۔

غالباً تو یہ کہے کہ میں استقامت سے عمل اس لیے نہیں کر سکتا کہ لذت خواہشات کا حریص ہوں، اور تکلیف و مشقت برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر یہی بات ہے تو تو پرلے درجہ کا احمق ہے، اور تیرا عذر لنگ ہے۔ اگر تو لذت کا حریص ہے، تو ایسی لذت کیوں نہیں تلاش کرتا جو تمام آلائشوں سے پاک ہو، اور ابدالآباد تک کے لیے ہو۔ یہ نعمت تو جنت ہی میں حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر تجھے لذت اور خواہش ہی عزیز ہیں، تو ان کی خاطر بھی تجھے نفس کی وقتی خواہشات کی مخالفت کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ بسا اوقات ایک لقمہ کئی لقموں سے محروم کر دیتا ہے۔

تیرا کیا خیال ہے اس مریض کے بارہ میں، جس کو طبیب کہے کہ صرف تین دن ٹھنڈا پانی مت پینا، تاکہ تندرست ہو جاؤ اور پھر زندگی بھر ٹھنڈے پانی کا لطف اٹھاؤ۔ اگر تم نے ان تین دنوں میں پیا، تو زندگی بھر اس ٹھنڈے پانی سے ہاتھ دھولینا پڑے گا۔ اس وقت، سچ سچ بتلا، عقل کا تقاضا کیا ہے؟ کیا وہ تین دن صبر کرے تاکہ زندگی آرام سے گزرے، یا اپنی خواہش پوری کرے کہ مجھ سے تین دن صبر نہیں ہو سکتا، پھر تین سو دن، یا تین ہزار دن، برابر اس نعمت سے محروم رہے؟ تین دن کی جو حقیقت پوری عمر کے مقابلہ میں ہے، وہ اس سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتی جو تیری پوری عمر کی ابدالآباد کی زندگی کے مقابلہ میں ہے۔ کیا تو کہہ سکتا ہے کہ خواہشات نفسانی کے ضبط کرنے کی تکلیف، طبقاتِ جہنم میں عذابِ نار سے زیادہ سخت اور طویل ہے؟ جو شخص دنیا میں ایک معمولی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتا، وہ آخرت میں عذابِ الٰہی کو کیسے برداشت کرے گا!

میں دیکھتا ہوں کہ تو دو وجہ سے اپنے نفس کو ڈھیل دیتا ہے۔ ایک کفرِ خفی، اور ایک صریح حماقت۔ کفرِ خفی یہ ہے کہ یومِ حساب پر تیرا ایمان کمزور ہے، اور ثواب و عقاب سے تو ناواقف ہے۔ اور صریح حماقت اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم پر غلط اعتماد ہے، اور اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ مہلت عذاب دینے کے لیے دیتا ہے، حالانکہ تو روٹی کے ایک ٹکڑے کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ جتنی تدابیر اور کوششیں ضروری ہوں وہ سب کرتا ہے۔

اسی جہالت کی وجہ سے احمق کا لقب تجھے رسول اللہؐ سے ملا۔ فرمایا کہ "عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو مطیع کرے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے۔ اور احمق وہ ہے جس کا نفس اپنی خواہشات کی پیروی کرے اور اللہ سے امیدیں باندھے۔"

اے نفس، دنیا کی زندگی میں نہ کھو جا! اللہ تعالیٰ سے غلط امیدیں نہ باندھ! اپنی فکر آپ کر! اپنا وقت ضائع مت کر، کہ گنتی کے چند سانس تیرے پاس ہیں۔ ایک سانس جاتا ہے، اتنا ہی وقت کا خزانہ کم ہو جاتا ہے۔

جتنی مدت آخرت میں رہنا ہے، اسی قدر دنیا میں اس کی تیاری کر۔ جتنی مدت جاڑے کی ہوتی ہے، اسی حساب سے تو دنیا میں کھانا، کپڑے اور لکڑیاں جمع کرتا ہے۔ ان میں سے کسی چیز میں تو اللہ کے کرم پر تکیہ نہیں کرتا کہ وہ محض اپنے فضل سے، کپڑوں اور آگ کے بغیر، تجھے سردی سے بچالے گا، حالانکہ وہ اس پر قادر ہے۔ پھر کیا تیرا خیال ہے کہ دنیا کی سردی کے مقابلہ میں جہنم میں سردی کم ہوگی، یا تھوڑے دن رہے گی، یا کچھ کیے بغیر اس سے بچ جائے گا؟ نہیں، جہنم کی سردی توحید اور اطاعت کے بغیر نہیں جاتے گی۔ اللہ کا یہ کرم کیا تھوڑا ہے کہ تجھ کو جہنم سے بچنے کا طریقہ بتا دیا اور اس کے لیے سارا سامان مہیا کر دیا، جس طرح اون اور آگ کو پیدا کیا، تاکہ تو خود سردی سے اپنا بچاؤ کر سکے۔

تیری خرابی ہو اے نفس، جس طرح دنیا کے لیے تیاری کرتا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر آخرت کے لیے تیاری کر!

اے نفس، میں دیکھتا ہوں کہ تجھے دنیا سے محبت ہے، اور اس کی جدائی تجھ پر شاق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب و ثواب اور قیامت کے ہول سے غافل ہے۔ حالانکہ تو دنیا میں مسافر ہے، اور یہاں کی چیزیں سفر کرنے والوں کے ساتھ نہیں جاتیں۔ کیا تو گزرے ہوئے لوگوں کا حال نہیں دیکھتا؟ جن مکانوں میں رہنا ہی نہیں، وہ کیسے عالی شان بنائے، پھر چھوڑ کر چلے گئے۔ رہنے کی جگہ زمین کے اندر قبر ہے، اس کی فکر ہی نہ کی۔ شاید لوگوں کے درمیان عزت و مرتبہ کی محبت سے تیری آنکھوں پر چربی چھا گئی ہے؟ زمین پر سارے لوگ اگر تیری عزت کریں، تیری تعریف کے گن گائیں، اور تیرا کہا مانیں، پھر کیا تو نہیں جانتا کہ چند برس کے بعد نہ تو رہے گا، نہ یہ سارے لوگ۔ پھر ایک زمانہ آئے گا جس میں نہ تیرا ذکر رہے گا، نہ ان شخصوں کا جو تیرا ذکر کرتے تھے۔

اے نفس، موت نزدیک آگئی ہے، جو کرنا ہے اب کر لے۔ تیرے بعد نہ کوئی تیری طرف سے نماز پڑھے گا، نہ روزہ رکھے گا، نہ تجھ سے اللہ کو راضی کرے گا۔ زندگی کے یہ چند روز ہی ہیں، یہی تیرا سرمایہ ہے، اس سے تجارت کر لے۔ اکثر سرمایہ تو ضائع کر چکا ہے، اگر تمام عمر اس بربادی پر روئے تب بھی کم ہے۔ مردوں کا لشکر گھر کے باہر تیرا منتظر ہے۔ انھوں نے پکی قسم کھا رکھی ہے کہ تجھے ساتھ لیے بغیر نہیں ہلیں گے۔ یہ سب یہی تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہمیں ایک

روز مل جائے کہ دنیا میں جا کر اپنے گناہوں کا تدارک کریں۔ تیرے پاس آج یہ ایک روز ہے' جو اگر تو بیچے تو یہ مردے تمام دنیا کے عوض بھی اسے خرید لیں' اگر ان کو قدرت ہو۔

اے نفس' تجھ کو ذرا شرم نہیں۔ اپنے ظاہر کو تو خلق کے لیے سنوارتا ہے' اور باطن میں بڑے بڑے گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے۔ اے نفس' کیا یہ عقلمندی ہے کہ تو ہر روز اپنے مال کے زیادہ ہونے سے تو خوش ہو' مگر عمر کے کم ہونے کا کچھ غم نہ ہو۔ اے نفس' یاد رکھ کہ دین اور ایمان کا بدل کوئی چیز نہیں' اور اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں۔

اے نفس' اب میری نصیحت مان' کہ جو نصیحت سے منہ پھیرتا ہے وہ آگ پر راضی ہوتا ہے۔ اگر دل کی سختی نصیحت کے قبول کرنے میں مانع ہو' تو اس سختی کو تہجد گزاری اور آوِ نیم شبی سے دور کر' اور اقربا سے حسنِ سلوک اور یتیموں پر مہربانی و شفقت کر۔ یہ بھی کارگر نہ ہو تو جان لے کہ شاید اللہ نے دل پر مہر لگا دی' تو اپنے سے ناامید ہو جا۔ لیکن ناامیدی کفر ہے' اس لیے تو ناامید ہو نہیں سکتا' اور امید کی بھی کوئی صورت نہیں۔

تو اب یہ دیکھ کہ جس مصیبت میں تو مبتلا ہے اس پر تجھے غم ہوتا ہے کہ نہیں' کوئی آنسو آنکھ سے گرتا ہے کہ نہیں۔ اگر گرتا ہے تو آنسو منبع رحمت ہے' اور ابھی امید کی جگہ باقی ہے۔ بس تو ارحم الراحمین کے سامنے فریاد کر' اور اکرم الاکرمین کے سامنے شکوہ کر۔ اس لیے کہ تیری مصیبت بہت بڑھ گئی۔ اب کوئی راستہ اور ٹھکانہ اور بھاگنے کی جگہ اور فریاد کا سننے والا' اس عالی سرکار کے سوا کہیں نہیں۔ اس کے سامنے گریہ و زاری کر' اور دھاڑیں مار۔ وہ گڑگڑانے والوں اور رونے والوں پر رحم فرماتا ہے' اور مضطر کی دعا قبول فرماتا ہے۔ اب' جب سب راستے بند ہو گئے' تو جس سے طلب کرتا ہے وہ کریم اور سخی ہے' اور جس سے فریاد کرتا ہے وہ رؤف اور رحیم ہے۔ اس کی رحمت وسیع' اور اس کا کرم عام' اور اس کے عفو میں ہر خطا شامل ہے۔

(ماخوذ از احیاء علوم الدین' ج ۴: تدوین و ترجمہ' خ۔ م)

مدارجِ اعمال اور نصرتِ دین

مکتوبات مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (۹۷۱ھ - ۱۰۳۴ھ) کے مکتوبات نے اپنے زمانہ سے لے کر آج تک، دُور دُور کے علاقوں میں، ہر شعبہ زندگی پر اور ہر قسم کے لوگوں پر بڑے گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ ایک اہلِ علم کے الفاظ میں، ان میں "امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے وہ سامان موجود ہے، جس کی صدائے باز گشت نے گزشتہ تین چار صدیوں میں امت مصطفویہؐ کے حق میں میرکارواں کا کام انجام دیا ہے"۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ "ہندوستان میں تصوف کی تھوڑی کتابوں کو وہ قدر و منزلت میسر آئی ہے، جو مکتوبات امام ربانی کو نصیب ہے۔ حضرت سرہندیؒ کی زندگی ہی میں ان کی نقلیں ہندوستان، اور ہندوستان سے باہر دوسرے ملکوں میں پھیل گئی تھیں، اور آج بھی ان کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی"۔

یہ مکتوبات تین ضخیم جلدوں میں ہیں: جلد اول ۳۱۳ مکتوبات پر، جلد دوم ۹۹ مکتوبات پر، اور جلد سوم ۱۱۴ مکتوبات پر مشتمل ہے۔ ہم یہاں ۳ مکتوبات پیش کر رہے ہیں۔

آج کے دور کے لیے بھی، جب دنیا کے گوشہ گوشہ میں احیائے اسلام کی لہر اٹھ کھڑی ہوئی ہے، ان مکتوبات میں دین، شریعت، تزکیہ و تربیت، جہاد فی سبیل اللہ، احیائے سنت، اقامتِ دین اور ترویجِ شریعت کے بارہ میں بڑا فکر انگیز اور روح پرور سامان موجود ہے، امید ہے قارئین اس کو اپنی تربیت اور احیائے دین کی جدوجہد میں رہنمائی کے لیے مفید پائیں گے۔

○

شیخ نظام الدین فاروقی تھانیسریؒ کے نام

شیخ نظام الدینؒ (م ۱۰۳۵ھ) اپنے وقت کے اکابر میں تھے۔ جہانگیر کی ناراضگی کی وجہ سے آپ نے بلخ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مجدد الف ثانی سے ان کے بہت گہرے تعلقات تھے۔

اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے اعمال' یا فرائض ہیں یا نوافل۔ مگر نوافل کا فرائض کے مقابلے میں کوئی اعتبار نہیں۔ اپنے وقت پر کسی فرض کا ادا کرنا ہزار سالہ نوافل سے بہتر ہے' اگرچہ وہ نوافل بہ نیت خالص ادا کیے جائیں ــــ کوئی بھی نفل ہو' نفلی نماز ہو' نفلی روزہ ہو' ذکر و فکر ہو' یا اس کے مثل ہو۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ کسی فرض کی ادائیگی کے وقت سنن میں سے کسی سنت کی رعایت کرنا بھی یہی حکم رکھتا ہے (یعنی ہزار سالہ نوافل سے بہتر ہے)۔

منقول ہے کہ ایک دن امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ فجر جماعت سے ادا کرنے کے بعد مقتدیوں پر نظر دوڑائی۔ ایک شخص کو اصحاب میں سے موجود نہ پایا۔ دریافت فرمایا کہ فلاں صاحب جماعت میں نہیں آئے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ وہ رات کے اکثر حصے میں (نفلی نماز ادا کرنے کی وجہ سے) بیدار رہتے ہیں' اس وقت ان کی آنکھ لگ گئی ہوگی۔ یہ سن کر حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ: اگر تمام رات وہ سوتے رہتے اور فجر کی نماز باجماعت ادا کر لیتے تو تمام رات جاگنے سے بہتر ہوتا۔

پس کسی سنت کی رعایت (فرائض میں) کرنا اور کسی مکروہ سے اجتناب کرنا ــــ چاہے مکروہ تنزیہی کیوں نہ ہو' چہ جائیکہ مکروہ تحریمی ــــ ذکر و فکر اور مراقبہ و توجہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ ہاں اگر یہ اعمال کسی ادب کی رعایت اور کسی مکروہ سے اجتناب رکھتے ہوئے کیے جائیں تو عظیم الشان کامیابی کی بات ہے۔ ایک وانگ (چھ رتی وزن) زکوٰۃ کا' حساب کر کے' نکالنا' نفلی طریقے پر سونے کے بڑے بڑے پہاڑ خیرات کر دینے سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ اور اس زکوٰۃ کے صدقہ کرنے میں کسی ادب (سنت) کا لحاظ رکھنا ــــ مثلاً اس کو ایسے فقیر کو دینا جو عزیز قریب ہو ــــ اور بھی زیادہ بہتر ہے۔

اسی لیے عشا کی نماز آدھی رات کے بعد پڑھنا' اور اس تاخیر کو قیامِ لیل (تہجد) کا ذریعہ بنانا' سخت مکروہ بات ہے۔ اس لیے کہ حنفیہ کے نزدیک اس وقت میں عشا کی نماز مکروہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے' کیونکہ حنفیہ نے نماز عشا کو نصف لیل تک مباح قرار دیا ہے' اور دوسرے نصف میں وہ اسے مکروہ کہتے ہیں۔ اور وہ مکروہ جو مقابل مباح ہو مکروہ تحریمی ہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک تو نصف لیل کے بعد نماز عشا (بطور ادا) جائز ہی نہیں۔ اس لیے قیام لیل کے لیے' اور ذوق و یکسوئی کے حصول کے واسطے' نماز عشا میں تاخیر کرنا بہت ہی نازیبا بات ہے۔ تہجد کے حاصل کرنے کے لیے وتر کی تاخیر ہی کافی ہے' اور تاخیر وتر مستحب بھی ہے۔ وتر بھی (نصف لیل کے بعد) اچھے وقت ادا ہوتا ہے' اور قیامِ لیل' نیز سحر کے وقت بیداری

بھی میسر ہو جاتی ہے۔ الحاصل یہ عمل (تاخیر عشا) ترک کرنا چاہیے۔

...

طبقۂ صوفیا کے علوم "علوم احوال" ہیں، مگر احوال اعمال کی میراث ہیں۔ "علوم احوال" کی میراث اس شخص کو ملتی ہے جو اعمال کو درست کرے، اور اعمال کی تصحیح اس وقت میسر ہوتی ہے کہ اعمال کو پہچانے، اور ہر عمل کی کیفیت جانے۔

اس کا تعلق علم احکام شرعی سے ہے۔ نماز، روزہ اور تمام فرائض کا علم، نیز معاملات، مثلاً نکاح و طلاق اور بیع و شراء کا علم، اور ہر اس بات کا علم جس کو حق سبحانہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے، ضروری ہے۔ اور یہ علوم اکتسابی ہیں، ان کے سیکھے بغیر چارہ نہیں۔

علم دو مجاہدوں کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک مجاہدہ، علم کی طلب میں: اس کے حاصل ہونے سے پہلے۔ دوسرا مجاہدہ، علم کا (صحیح) استعمال، اس کے حاصل ہونے کے بعد۔ پس ضروری ہے کہ جس طرح جناب کی مجلس مبارک میں کتب تصوف کا مذاکرہ ہوتا ہے، کتب فقہ بھی مذاکرہ میں آئیں ——— کتب فقہ فارسی زبان میں بھی بہت سی ہیں، مثلاً مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام، اور کنز فارسی ——— بلکہ اگر کتب تصوف کا مذاکرہ نہ بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ تصوف کا تعلق احوال سے ہے، قال سے نہیں، اور کتب فقہ کا مذاکرہ نہ کرنا ضرر کا باعث ہو سکتا ہے۔

زیادہ کیا طول دوں۔ اس تھوڑی سی بات میں بہت کچھ ہے: غم دل تھوڑا سا تیرے سامنے بیان کیا ہے، کہ کہیں تیرا دل آزردہ نہ ہو جائے، ورنہ باتیں تو بہت سی ہیں۔

○

شیخ فرید بخاریؒ کے نام

نواب فرید مرتضیٰ خاں، اکبر کے دربار میں درجہ امارت پر پہنچے۔ جہانگیر بادشاہ ہوا، تو اس نے ان کے منصب میں اضافہ کیا، صاحب السیف و القلم کا خطاب دیا، پھر مرتضیٰ خاں کا لقب دیا۔ جہانگیر نے پہلے انھیں گجرات کا گورنر بنایا، جہاں انھوں نے ۳ سال حکومت کی۔ پھر پنجاب کا گورنر بنایا، جہاں وہ مدت العمر رہے۔ گجرات میں کئی عمارتیں ان کی یادگار ہیں۔ دہلی کے قریب فرید آباد انھی کا بسایا ہوا ہے۔ لاہور میں بھی ان کا آباد کیا ہوا ایک محلہ ہے اور ایک حمام۔ اپنے زمانہ میں سیاست، تدبر، سخاوت و کرم میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ مجدد الف ثانیؒ کے ارادتمند تھے، جنھوں نے جہانگیر کے دربار شاہی کا رخ اسلام کی طرف موڑنے میں شیخ فرید سے بڑا کام لیا۔

اللہ تعالیٰ دشمنوں کے مقابلے میں آپ کی مدد کرے، بحرمت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔

مرحمت نامہ گرامی جو فقرا کو بھیجا گیا تھا' اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ مولانا محمد قلیج کے خط میں آپ نے لکھا تھا: "کچھ خرچ طالب علموں اور صوفیوں کے لیے بھیجا گیا"۔ اس عبارت میں طالب علموں کی تقدیم' صوفیوں پر بہت زیبا معلوم ہوئی ---- اَلظَّاہِرُ عُنوانُ الْبَاطِن(ظاہر باطن کا عنوان ہوتا ہے) کے اعتبار سے امید ہے کہ آپ کے باطن میں بھی علمِ دین کی جماعت تقدیم رکھتی ہوگی۔ کوزے سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں ہوتی ہے۔

طالب علموں کے مقدم رکھنے میں شریعت کی ترویج پوشیدہ ہے۔ حاملانِ شریعت یہی لوگ ہیں' ملّتِ مصطفویہ' اسی جماعت کے ذریعے قائم ہے۔ قیامت میں شریعت کے متعلق سوال کیا جائے گا' تصوف کے متعلق نہیں۔ جنت کا داخلہ اور آتشِ دوزخ سے نجات' شریعت ہی کی پابندی سے وابستہ ہے۔

انبیا علیہم السلام' جو کہ بہترین کائنات ہیں' انھوں نے شرائع کی طرف دعوت دی ہے' اور مدارِ نجات اسی پر رکھا ہے۔ انبیا کی بعثت کا مقصد بھی تبلیغِ شرائع ہی ہے۔

پس سب سے بڑی نیکی ترویجِ شریعت میں سعی کرنا اور اس کے احکام میں سے کسی حکم کا زندہ کرنا ہے ۔ بالخصوص ایسے زمانے میں کہ شعائرِ اسلام منہدم ہو گئے ہوں۔ راہِ خدا میں کروڑوں روپیہ خرچ کرنا بھی مسائلِ شرعیہ میں سے کسی ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے۔ اس لیے کہ مسئلہ شرعی کے رواج دینے میں انبیا کی اقتدا اور پیروی اور ان کے کارِ تبلیغ میں مشارکت ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مخلوقات میں بزرگ ترین ہیں' اور کامل ترین حسنات انھیں کے لیے ثابت و مُسلّم ہیں۔ کروڑوں روپیہ خرچ کرنا تو انبیا کے علاوہ دوسروں کو بھی میسر ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ادائیگی شریعت میں نفس کی پوری پوری مخالفت ہوتی ہے' اس لیے کہ شریعت برخلاف نفس واقع ہوئی ہے۔ لیکن مال کے خرچ کرنے میں کبھی نفس موافقت بھی کر لیتا ہے۔

ہاں تائیدِ شریعت اور ترویجِ ملت کے لیے مال خرچ کرنا بہت بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ ایک جیتل (پیسہ) کو ترویج و اشاعتِ دین کی نیت سے خرچ کرنا' بغیر نیت کے لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے برابر ہے۔ وہ شخص جس سے بہت سوں کی نجات وابستہ ہو' ظاہر ہے کہ اس شخص سے بہتر ہو گا جو اپنی نجات ہی کی فکر رکھتا ہو۔

البتہ وہ صوفی ---- جو "فنا و بقا" کے بعد اور سیر عن اللہ اور سیر باللہ کے مقام طے کرنے کے بعد' عالم میں گشت لگائے' دعوتِ خلق کی طرف متوجہ ہو کر مقامِ نبوت سے حصہ رکھتا ہو ---- مُبلّغانِ شریعت کے زمرہ میں داخل ہے' اور علمائے شریعت کا حکم رکھتا ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ

يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○

○

شیخ فرید بخاریؒ کے نام

اللہ تعالیٰ آپ کو جادۂ آبا کرام پر ثابت قدم رکھے۔

بادشاہ کی مثال عالم کے اندر ایسی ہے جیسا کہ دل بدن کے اندر ہے۔ اگر دل صحیح ہے تو بدن صحیح ہے' اور دل فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہے۔ بادشاہ کی درستی دراصل عالم کی درستی ہے' اور بادشاہ کا بگڑنا' عالم کا بگڑنا ہے۔

آپ واقف ہیں کہ دورِ ماضی (عہدِ اکبری) میں اہلِ اسلام پر کیا کچھ گزری ہے۔ اہلِ اسلام کی خرابی ابتدائے اسلام میں' باوجود انتہائی کس مپرسی کے' اس سے آگے نہ بڑھی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں اور غیر مسلم اپنے دین پر۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ سے یہ بات ظاہر ہے۔ مگر دورِ گزشتہ میں مخالفینِ اسلام کھلم کھلا اسلام میں احکامِ کفر جاری کرتے تھے' اور مسلمان احکامِ اسلام کے اظہار سے عاجز تھے۔ اگر اظہار کی جرأت کرتے تھے' قتل ہو جاتے تھے۔

واویلا' وامصیبتا' واحسرتا' واحزنا! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم' جو کہ محبوبِ رب العالمین ہیں' ان کی تصدیق کرنے والے ذلیل و خوار تھے' اور ان کے منکر درجۂ عزت و اعتبار پر فائز تھے۔ مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ غمگساریِ اسلام میں تھے' اور معاندین مذاق اور تمسخر سے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے۔ آفتابِ ہدایت' ضلالت کے پردے میں چھپ گیا تھا' اور نورِ حق باطل کے حجاب میں یکسو ہو گیا تھا۔

اس زمانہ میں' کہ جب مانعِ دولتِ اسلام کے زائل ہونے کی خوشخبری اور بادشاہِ اسلام کے جلوس کا مژدہ ہر خاص و عام کے کان میں پہنچا ہے' اہلِ اسلام لازم جانتے ہیں کہ بادشاہ کے ممد معاون ہوں اور ترویجِ شریعت اور تقویتِ ملت کی راہ دکھائیں۔ یہ امداد و تقویت خواہ زبان سے ہو یا ہاتھ سے' بہرحال ہونی چاہیے۔ سب سے بڑی مدد مسائلِ شرعیہ کی وضاحت اور اظہارِ عقائدِ کلامیہ "بطور کتاب و سنت و اجماع" ہے' تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں آکر دین کا راستہ نہ لوٹ سکے اور کام نہ بگڑے۔

یہ امداد ان علماء حق کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ آخرت کی طرف رخ رکھتے ہیں۔ علماء دنیا جو کہ اپنا نصب العین صرف دنیا کو بنائے ہوئے ہیں' ان کی تو صحبت بھی زہرِ قاتل ہے' اور ان کا فساد' فسادِ متعدی ہے۔

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

(جو عالم کہ کامرانی اور تن پروری کرتا ہے، وہ خود گمراہ ہے، کسی کی رہنمائی کیسے کر سکتا ہے ؟

زمانہ گزشتہ میں جو مصیبت اہلِ اسلام کے سر پر آئی وہ ان علماءِ سوء کی نحوست ہی کا کرشمہ تھا۔ بادشاہوں کو یہی علماءِ سوء راہِ راست سے ہٹا دیتے ہیں۔ ۷۲ فرقے جنھوں نے راہِ ضلالت اختیار کی، ان کے سربراہ اور سرغنہ یہی علماءِ سوء تھے۔ علماءِ سوء کے علاوہ جو بھی راہِ ضلالت پر چلا، اس کا بگاڑ بہت کم دوسروں تک متعدی ہے۔

اگر کوئی شخص، باوجود ہر قسم کی استطاعت و طاقت کے، نصرتِ دین میں کوتاہی کرے گا، اور اس کوتاہی کے نتیجہ میں کارخانۂ اسلام میں خلل واقع ہوگا، تو وہ کوتاہی کرنے والا اللہ کے عتاب میں مبتلا ہوگا۔ اس بنا پر یہ قلیل پونجی رکھنے والا بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دولتِ اسلام کے معاونین کی جماعت میں رکھے، اور اس بارہ میں کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔ "جو جس جماعت کی تعداد میں اضافہ کرے، وہ اسی میں سے ہے"۔ اس حدیث کی رو سے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس بے استطاعت کو بھی معاونینِ اسلام کی جماعت کرام میں داخل کر دیں۔ اپنی مثال اس بڑھیا کی سی سمجھتا ہوں جس نے ایک سوت کی انٹیا لے کر خود کو حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ السلام کے خریداروں کی فہرست میں شامل کر لیا تھا۔

امید ہے کہ عنقریب انشاء اللہ العزیز آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کروں گا۔ آپ کی بلندیِ مرتبہ سے امید ہے کہ، جب کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے پوری طاقت دی ہے، اور بادشاہ کا قرب نصیب فرمایا ہے، تو خلوت و جلوت میں برابر ترویجِ شریعتِ محمدیؐ کے سلسلے میں کوشاں رہیں گے، اور مسلمانوں کو ذلت و خواری اور پستی سے نکالیں گے۔

(مکتوبات کا ترجمہ، مولانا نسیم احمد فریدی امروہیؒ کی "تجلیاتِ ربانی، ترجمہ و تلخیص مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ" (لکھنؤ)، سے معمولی تغیر و تبدل کے ساتھ اخذ کیا گیا ہے۔ مکتوب الیہم کے تعارف کے لیے بھی ہم نے بیشتر اسی کتاب پر انحصار کیا ہے۔)

اسلامی تحریک نے
الجیریا کے عوام کے دل کس طرح جیتے؟

ترجمہ و تدوین : مسلم سجاد

دسمبر ۱۹۹۱ میں الجیریا کے انتخابات میں اسلامک سالویشن فرنٹ نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ انتخابی نتائج کے ثمرات سے فرنٹ کو محروم کرنے کے لیے فوج نے، مغرب کی "جمہوریت نواز" طاقتوں کی پشت پناہی سے، عوامی طاقت کو کچلنے کے لیے ظلم و ستم کی کارروائیاں شروع کر رکھی ہیں۔ "۳ ہزار افراد ہلاک ہو چکے ہیں اور ۳۹۰ "Militants" (تشدد پسندوں) کو سزائے موت سنائی جا چکی ہے" (اکنامسٹ، ۳ دسمبر ۱۹۹۳)۔ یہ کشمکش جاری ہے۔ اس موقع پر مطالعہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسلامک فرنٹ نے عوام کی یہ حمایت کس طرح حاصل کی۔ یقیناً دنیا کے دوسرے ملکوں میں غلبۂ اسلام کے لیے جدوجہد کرنے والی تحریکیں اس سے بہت کچھ سیکھ سکتی ہیں۔

پیرس کے ایک تحقیقی ادارہ سے وابستہ خاتون ربیعہ بقر، الجیریا کے ایک شہر تلمسان میں گزشتہ ۱۲ سال سے تحقیقاتی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ اسلامی تحریک سے ان کا پہلا رابطہ مقامی رفاہی انجمنوں کی صورت میں ہوا۔ ان خاتون نے ۱۹۹۰ کے بلدیاتی انتخابات کی مہم کا خود مشاہدہ کیا۔

اب سیاسی سرگرمیاں بند ہیں، فرنٹ پر پابندی ہے، لیکن الجیریا میں اسلام کا تحریکی عمل نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ ربیعہ بقر نے، رسالہ مڈل ایسٹ رپورٹ کے نمائندے سے ملاقات میں، اس قصبے کے بارہ میں جو تفصیلات بتائی ہیں، ان سے شہری علاقوں میں اسلامی تحریک کے کام کرنے کے وہ طریقے سامنے آتے ہیں جن کے ذریعے لوگوں کے دل اس تحریک کے ساتھ ہو گئے۔ اسے انتخابات میں کامیابی حاصل ہوئی، اور یہی لوگ اب فوجی آمریت کے خلاف ان کے شانہ بشانہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اور ہر طرح کے مظالم برداشت کر رہے ہیں۔

تلمسان، الجیریا کے شمال میں، مراکش کی سرحد سے قریب، پونے دو لاکھ آبادی کا ایک شہر ہے۔ یہ ایک پہاڑی کے ساتھ ساتھ آباد ہے۔ وسط میں ایک قدیم شہر ہے، اور اس کے گرد کشادہ سڑکوں اور خوبصورت عمارات والا نیا شہر ہے، جو فرانسیسی دور میں تعمیر ہوا۔ شہر کے چاروں طرف

نئے رہائشی علاقے زیرِ تعمیر ہیں۔ اس کے علاوہ وہ علاقے ہیں جہاں لوگوں نے خود ناجائز بستیاں آباد کرلی ہیں۔ ایسی ہی ایک بڑی بستی بودین ہے' جہاں کی آبادی ۳۰ ہزار ہے۔

قدیم شہر میں بیشتر مزدور اور کام کاج کرنے والے آباد ہیں' لیکن صاحبِ حیثیت افراد کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ بنگلوں میں اعلیٰ سرکاری افسران اور خاندانی امرا رہتے ہیں۔ نئے رہائشی علاقوں میں انجینئر' ڈاکٹر اور دیگر مڈل کلاس کے لوگ رہائش پذیر ہیں۔ بودین میں تین طرح کی آبادی ہے۔ صحرا سے آنے والے' قدیم شہر میں آبادی بڑھنے پر وہاں سے آنے والے' اور وہ سب جن کے پاس رہنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ یہ سب یہاں آکر آباد ہوگئے اور اپنے اپنے مکان بنا لیے۔ یہ سب زیادہ تر بہت غریب ہیں۔ لیکن ان کی اولاد میں سے جنھوں نے کامیابی حاصل کرلی' وہ استاد بنے یا مختلف اداروں میں ملازم ہوگئے۔

اس قصبہ کے لوگوں کے مسائل وہی ہیں جو الجیریا میں کسی اور جگہ کے لوگوں کے ہیں۔ مکانات کی بے حد قلت ہے' اور آبادی میں اضافہ کی رفتار تیز ہے۔ بڑے بڑے مکانات میں صرف ۲' ۳ افراد' لیکن قدیم شہر میں ایک ایک کمرے میں ۱۵' ۲۰ افراد تک رہتے ہیں۔

دوسرا بڑا مسئلہ بے روزگاری ہے۔ قصبہ میں الیکٹرانکس' ٹیکسٹائل اور دوسری کئی صنعتیں قائم ہیں۔ ان کارخانوں میں آزادی کے بعد پہلی نسل کو ملازمتیں مل گئیں۔ مگر اب نئے مواقع پیدا نہیں ہو رہے۔ نئے نوجوان بیشتر بے روزگار ہیں۔ ؟ حکومت نے یوتھ سنٹر اور کلچرل سنٹر قائم کیے' لیکن ان میں قواعد و ضوابط کی اتنی بھرمار ہے کہ نوجوان گھٹن محسوس کرتے ہیں۔

قدیم شہر میں چلا پھرا جائے تو بعض علاقے نوجوانوں سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تاثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی تقریب ہے۔ ایک نوجوان سے پوچھا کہ گھر سے باہر وہ دن بھر کیا کرتا ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ وہ اپنے مقررہ ریستوران جا کر کافی پیتا ہے اور دوستوں سے ملتا ہے۔ پھر ریستوران سے باہر آتا ہے' شہر کا چکر لگاتا ہے۔ پھر ریستوران جاکر دوسرے دوستوں کے ساتھ کافی پیتا ہے۔ پھر دوپہر تک ایسے ہی گھومتا پھرتا رہتا ہے۔

خواتین اور لڑکیاں عام طور پر گھروں سے باہر نہیں آتیں۔ یونیورسٹی کے آس پاس چند ہوٹل ایسے ہیں جہاں وہ جا سکتی ہیں۔ بعض پر بورڈ لکھا ملے گا "دوسری منزل فیملی کے لیے"۔ لیکن اندرونِ شہر ایسا ممکن نہیں ہے۔ ملازمت پیشہ خواتین بس آنے جانے کے لیے نکلتی ہیں۔ بعض کو چھیڑخانی اور آوازے بھی سننا پڑتے ہیں۔ جو باہر جاتی ہیں' ڈاکٹر کے پاس' رشتہ داروں سے ملنے یا مزار پر زیارت کے لیے' وہ پردہ میں ہوتی ہیں' اور کوئی محرم ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس ماحول میں اسلامک سالویشن فرنٹ کے کارکنوں نے کس کس طرح کیا کام کیے' اس کی ایک جھلک درج ذیل مکالمہ میں ملتی ہے۔ (م - س)

بظاہر اسلامی تحریک نے نوجوانوں کی توانائی سے کام لیا۔ یہ کس طرح ہوا ؟

سب سے پہلے تو یہ ہوا کہ بودین جیسے علاقوں میں' جو سنگین مسائل کا شکار تھے' مقامی فلاحی' رفاہی انجمنیں وجود میں آگئیں۔ اسلامی تحریک سے پہلے ہی مسجد کا سیاسی سے زیادہ معاشرتی کردار تھا۔ مقامی جھگڑوں کا تصفیہ یہاں کیا جاتا تھا' خاندانوں کو یہاں سے مالی مدد مل جاتی تھی۔ بودین جیسی غریب آبادیوں میں باہمی امداد کی اپنی روایت ہے۔ مکان تعمیر ہوتا ہے تو پورا محلّہ کام میں لگ جاتا ہے۔ ان انجمنوں کی بنیاد اسی روایت سے پڑی۔ بودین میں انجمن نے پہلا کام یہ کیا کہ گھر گھر سے چندہ جمع کرکے مسجد کی تعمیر کی' اور اس کے لیے آرائش و زیبائش کا انتظام کیا۔

ان انجمنوں کی سرگرمیوں میں کن لوگوں نے حصہ لیا ؟

یونیورسٹی کے طلبہ' بیروزگار نوجوان' اور ایسے افراد جو ماضی میں غلط راستوں پر چلتے رہے ہوں' سب ممبر محلّہ کے افراد تھے۔ دفتر محلّہ میں تھا۔ لیڈر بھی محلے ہی کا فرد تھا۔ مرکزی تنظیم بعد میں آئی۔ معاشرتی معاملات کو منضبط کرنے میں' مسجد کے کردار سے' محلّہ وار انجمنوں کے نیم منظم نظام سے ہوتے ہوئے' ایک قومی تنظیم تک' فطری ارتقا کا عمل ہوا۔ ۱۹۸۹ میں سالویشن فرنٹ کے قانونی طور پر وجود میں آنے کے بعد' مقامی انجمنوں کو اس میں شامل کرنا مشکل نہ رہا۔ فرنٹ کو بس یہی کرنا پڑا کہ انھیں نظریاتی اور سیاسی طور پر اپنا حصہ بنا لے۔ کام وہ پہلے ہی کررہے تھے۔

مسجد بنانے کے بعد پھر کیا کیا ؟

۱۹۹۰ میں فرنٹ کے بلدیاتی انتخابات جیت لینے کے بعد' ان کا کام بہت بڑھ گیا۔ مثال کے طور پر' ایک محلّہ' سیدی سعید' میں انجمن نے رہائشی علاقہ میں صفائی کا کام شروع کردیا۔ ان علاقوں کا حال یہ ہے کہ آپ باہر جاکر آئیں تو جوتوں میں ۱۵ کلو کیچڑ لگ جاتی ہے۔ اسلامی گروپوں نے درخت لگانے اور گلاب کی جھاڑیاں لگانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ ایک ہرا بھرا علاقہ سب کی نظروں کے سامنے آگیا۔ انھوں نے دکانوں اور مکانوں کے سامنے کے حصے پینٹ کردیے۔ ایک میدان کو فٹ بال گراونڈ بنا دیا' گول کے کھمبے لگا دیے' اور روزانہ صفائی کرنے لگے۔ ان علاقوں میں گھروں کا کچرا باہر پھینک دیا جاتا تھا' اور وہیں بچے کھیلتے تھے۔ بلدیہ کے ذریعے انھوں

نے کوڑے کے ڈرم اور ڈھکن کا انتظام کیا۔ اب ہر روز گاڑی آتی ہے اور کوڑا لے جاتی ہے۔

بیدی سعید میں محلہ کمیٹی میں یونیورسٹی کا ایک طالب علم تھا۔ جب وہ دیکھتا کہ کوئی بچہ کسی پودے پر اپنی کارروائی کرنے والا ہے' تو وہ اس کے قریب جاتا اور اس سے کہتا "نہ' نہ! یہ ایک پودا ہے جو انسان کی طرح جیتا ہے۔ اللہ پسند نہیں کرتا کہ تم اسے نقصان پہنچاؤ۔" اس طرح انھوں نے بچوں میں پودوں کے بارہ میں شعور بیدار کیا' لیکن مذہب کے حوالے سے۔

خود مسجد میں تبدیلیاں کس طرح آئیں ؟

شہر کی تمام بڑی مساجد حکومت کے زیرِ انتظام ہیں۔ اماموں کا تقرر حکومت کرتی ہے۔ جمعہ کا خطبہ ہر ہفتہ وزارتِ مذہبی امور کی طرف سے موصول ہوتا ہے۔ اسلامی تحریک کے لوگوں نے بڑی مساجد پر قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن شہر کے آس پاس کے علاقوں کی مسجدیں' دراصل صرف نماز پڑھنے کی کچی پکی جگہیں تھیں۔ یہاں انھوں نے چندہ جمع کرکے' مل جل کر مسجد کی تعمیر کی۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے رقم کا انتظام کیا۔ اب یہ ان کی مسجد تھی۔ چنانچہ انھوں نے یہاں اپنا امام مقرر کردیا۔

ان مسجدوں میں امام حکومت نے مقرر نہیں کیے ؟

دراصل غذا اور مکانوں کی طرح' اماموں کی بھی قلت ہے۔ حکومت مساجد کی بڑھتی ہوئی تعداد کا ساتھ نہ دے سکی۔ ان کے پاس امام مقرر کرنے کے لیے افراد نہ تھے۔ اسلامی تحریک کے لوگوں نے یہ کسر پوری کردی۔ بلدیاتی انتخابات کے بعد وہ ساری مسجدوں میں پھیل گئے۔

جون ۱۹۹۰ میں مجھے فرنٹ کے میئر کے دفتر جانے کا اتفاق ہوا۔ میرے سامنے ٹیکنیکل ڈائریکٹر داخل ہوا۔ میئر نے اس سے ایسا نقشہ تیار کرنے کے لیے کہا' جس میں تمام مساجد پر سرخ نشان ہو۔ ڈائریکٹر نے کہا "مسجدوں پر کیوں نشان لگائیں ؟ اور بہت مسائل ہیں۔" میئر نے کہا "میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کن محلوں میں مسجدیں ہیں' کل کتنی مسجدیں ہیں' اور یہ کہاں واقع ہیں۔" مسجد ان کی کلید تھی۔

پھر بچوں کا معاملہ تھا۔ سکول جانے سے قبل کی' ۵' ۶ سال کی' عمر کے بچے مسجد کے قرآن سکول میں زیادہ بڑی تعداد میں جانے لگے تھے۔

کیا یہ کوئی نئی بات تھی ؟

حکومت ہر جگہ کے لیے قرآنی ٹیچر مہیا نہیں کرسکتی تھی۔ فرنٹ کے پاس ایسے رضاکار تھے

جو مفت پڑھاتے تھے۔ چنانچہ جب والدین مسجد میں نماز پڑھ رہے ہوتے تھے' تو ان کے بچے قرآن سکول میں ہوتے تھے۔ آپ اندازہ نہیں کرسکتے کہ بچوں کی مائیں اس بات سے کتنا خوش ہوتی تھیں' کہ ان کے بچے مٹی اور کیچڑ میں کھیلنے کے بجائے مسجد جاتے ہیں۔ والدین کو یہ بھی اچھا لگتا تھا کہ ان کے بچے سکول جانے سے پہلے کچھ سیکھ رہے ہیں۔ اور اسلامی تحریک کے لوگ یہ جانتے تھے کہ بچوں کے لیے ٹی وی پر کمی ماؤز دیکھنے کے بجائے قرآن پڑھنا زیادہ اچھا ہے۔

اور بڑے بچوں کے لیے کیا کیا؟

کچھ خاص اوقات میں' یہی قرآن سکول' پرائمری اور ہائی سکول کے طلبہ کے لیے کوچنگ سنٹر میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ اسلامی تحریک کے افراد' قریب کے محلے کے یونیورسٹی کے طالب علم اور سکول ٹیچرز سے ریاضی' فزکس یا کسی بھی مضمون کی کلاسیں لگواتے تھے۔ ان طلبہ کے لیے مفت کوچنگ بہت بڑی مدد تھی۔

کیا یونیورسٹی کے طالب علم اور ٹیچرز یہ خدمات کسی مذہبی جذبے سے انجام دیتے تھے؟

ان میں سے بیشتر اسلامی تحریک سے وابستہ تھے' لیکن سب نہیں۔ میں ایسے بہت سے نوجوانوں سے ملی جو پڑھا رہے تھے' یا خود پڑھ رہے تھے' اور ان کا اسلامی تحریک سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بہت سے دوسرے ایسے تھے جنھوں نے اپنے آپ کو بس تحریک کی رو میں چلتا پایا۔ اسلامی تحریک نے بے روزگار نوجوانوں یا غلط راستوں پر چلے جانے والے نوجوانوں کے لیے سرگرمیاں تلاش کرنے کو اپنا کام سمجھا۔ یہ رضاکارانہ بھی ہوتی تھیں اور ایسی بھی جن سے وہ کچھ پیسہ بھی کما سکتے تھے۔ انھوں نے ان کو ایسی چھوٹی چھوٹی دکانیں بنا کر دیں' جہاں وہ اخبارات' پھل' سبزیاں یا پرفیوم فروخت کرتے تھے۔

یہ انھوں نے کس طرح کیا؟

سیدی سعید میں ایک مارکیٹ زیر تعمیر تھی۔ یہ ایک سرکاری منصوبہ تھا۔ جب بلدیہ کے اختیارات فرنٹ کو ملے تو انھوں نے اس منصوبہ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ بنیادیں پڑ چکی تھیں۔ اسلامی تحریک کے لوگوں نے اس پر دکانیں بنا کر بیروزگار لوگوں کو دے دیں۔ یقیناً اس فہرست میں وہ نوجوان تھے جنھیں اسلامی تحریک اپنا ہمنوا سمجھتی تھی۔

اس عمل کی اہمیت دیکھیں۔ اسلامی تحریک کے لوگوں کو ایک خالی جگہ ملی' جہاں کئی برس پہلے سپرمارکیٹ کی بنیاد ڈالی گئی تھی لیکن وہ بن نہ سکی تھی۔ پھر تھوڑے ہی عرصے میں دکانیں

بنیں، اور تجارت شروع ہو گئی۔ ایک کھلی جگہ پر ایک ٹھوس حقیقت ــــ ہر وقت پورے علاقے کے لوگوں کی نظروں میں تھی۔

کیا انھوں نے اس منصوبہ کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی ؟

منصوبہ کی ذمہ دار بلدیہ تھی، لیکن اس کی افتتاحی تقریبات مسجد میں ہوئیں۔ انھوں نے اس کی بڑی فکر کی ــــ اگرچہ منصوبہ سیکولر تھا ــــ کہ اس کی افتتاحی تقریب بالکل مذہبی ہو۔ بلدیاتی انتخابات کے ۳ ماہ بعد ۱۹۹۰ میں یہ کام ہوا، اور ۱۹۹۱ میں جب میں وہاں سے آئی تو اس وقت بھی یہ لوگوں کا موضوع گفتگو تھا۔

اسلامی فرنٹ نے اس طرح کے منصوبوں کے لیے وسائل کہاں سے حاصل کیے۔ کیا فرنٹ کی بلدیات کو بھی دوسری بلدیات کی طرح حکومت سے رقومات ملیں ؟

حکومت کے پیش نظر تو یہ تھا کہ بلدیات کے بجٹ کم کرکے انھیں غیر موثر بنا دیں۔ "ہم بجٹ میں کمی کر دیں گے۔ حالات مزید خراب ہو جائیں گے۔ جن لوگوں نے فرنٹ کو منتخب کیا ہے، انھیں احساس ہو گا کہ انھیں کچھ بھی نہیں ملا ہے۔" لیکن امدادی ادارے آگے آئے، اور انھوں نے فرنٹ پر کوئی الزام نہ آنے دیا۔ فرنٹ کے لوگ ناتجربہ کار تھے، اور ان کے پاس وسائل بھی نہ تھے۔ ان اداروں نے محلوں میں ہر شخص پر اچھی طرح واضح کردیا کہ شہر کے کام کرنے کے لیے فرنٹ کو بجٹ حکومت نے نہیں دیا ہے۔

کیا امدادی ادارے اور فرنٹ، مختلف ادارے تھے ؟

ایک محلے میں فرنٹ کے مخلص کارکنوں کا ایک گھرانہ ہوتا ہے، جو نظم کے لیے بنیاد کا کام کرتا ہے۔ یہ گروپ، امدادی اداروں کے ساتھ کام کرتے تھے، جو زیادہ وسیع اور کھلے ہوتے تھے اور جن میں، عام مقامی لوگوں کے ساتھ ساتھ، سرگرم کارکن بھی شامل ہوتے تھے۔ بلدیاتی انتخابات کے لیے یہ کارکن کھڑے کیے جاتے تھے، اور یہ انجمنیں ان کی حمایت کرتی تھیں۔

بلدیہ کو اپنے کام کرنے کے لیے رقم کہاں سے ملی ؟

بلدیہ، قانونی طور پر، کسی نجی ذریعہ سے یا غیر ملکی حکومت سے مدد نہیں لے سکتی تھی۔ لیکن یہ امدادی ادارے لے سکتے تھے۔ رقوم کی فراہمی کا کام کئی سطحوں پر ہوا۔ مقامی طور پر، گھر گھر جا کر چندہ کیا گیا۔ تاجروں سے بہت مدد ملی۔ تلمسان میں مساجد اور ایسے خیراتی ادارے ہیں جو مقامی صاحب حیثیت لوگوں کے اختیار میں تھے۔ یہ جلد دولت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ حکومت

نے پابندیاں لگا کر ان کا راستہ روک رکھا تھا۔ بڑے صنعت کار تھے' جو قواعد و ضوابط کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ پا رہے تھے۔ ان سب نے فرنٹ کی حمایت کی' اس لیے کہ فرنٹ نے ٹیکس کم کرنے' اور اشیا کی تیاری کے سلسلہ میں ضابطے ختم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ فرنٹ کو رقم کی پریشانی نہ تھی۔ ان کے پاس اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے ہمیشہ رقم ہوتی تھی۔

مثال کے طور پر تلمسان میں سب سے بڑے چوک کے درمیان سے جو سڑک گزرتی تھی' حکومت نے اس سڑک کو ختم کرکے درمیان میں ایک بڑا قطعہ اور اس کے درمیان ایک فوارہ بنا دیا۔ ٹریفک چاروں طرف چلنے لگی۔ فرنٹ نے آتے ہی کہا کہ اس کا کیا فائدہ ہے۔ انھوں نے دو دن میں فوارہ گرا دیا۔ دوبارہ سڑک بنا دی' اور ٹریفک پھر پہلے کی طرح چلنے لگی۔ جس بلدیہ کے پاس پیسے نہ ہوں' وہ اتنی جلدی یہ سب کچھ کیسے کرسکتی ہے۔ انھوں نے لوگوں سے رضاکارانہ مدد کی اپیل کی' لیکن دو بڑی تعمیراتی کمپنیوں نے بھی مدد کی۔ ضرور یہ فرنٹ کی ہمدرد ہوں گی' اس لیے کہ انھوں نے یہ کام بغیر پیسے کے کیا۔

میں فرنٹ کی مستعدی اور کارکردگی سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔

ان نوجوانوں سے مل کر ہر شخص ان کے غیر معمولی نظم' اور ان کے مقامی اداروں کی غیر معمولی کارکردگی سے متاثر ہوتا ہے۔ انتخابی مہم میں ہم نے یہی مستعدی' تحرک اور کارکردگی دیکھی۔ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود تھے۔

اس جوش و جذبہ کی کیا وجہ ہے ؟

تحریکِ اسلامی کے لوگوں کو کام کا خالی میدان ملا۔ ایک گیا گزرا' پستی کا شکار معاشرہ' لوگ ناامید اور مایوس۔ لوگوں کو اس چیز کی ضرورت تھی۔ وہ پیاسے تھے۔

فرنٹ نے انتخابی مہم میں دیانت اور عدل کا سوال اٹھایا۔ سرکاری پارٹی کا باقاعدہ پروگرام تھا : تعمیرِ مکانات' روزگار اور تعلیم۔ لیکن فرنٹ نے کہا' ہم آپ سے کوئی وعدہ نہیں کرتے۔ ہم ایک ایسی ریاست بنائیں گے جہاں ہم اسلام پر عمل کریں گے' دیانت اور عدل کا دَور دَورہ ہوگا۔ اور جب بدعنوانی نہ ہوگی تو وسائل ہاتھ میں ہوں گے۔ اگر عدل ہوگا تو دولت اور مواقع کی منصفانہ تقسیم ہوگی۔ یہ ایک اخلاقی معاہدہ ہے' انتخابی پروگرام نہیں۔

ایک دوسرا اہم عامل بھی تھا۔ فرنٹ نے حساس مسائل کو چھیڑا۔ مثلاً خواتین کے مسائل' اخلاقی اقدار کے زوال سے متعلق مسائل۔ ان کی طرف باوقار خواتین تھیں' جو اخلاقی اقدار کی محافظ محسوس ہوتی تھیں۔ دوسری طرف شراب خانے تھے۔

کیا فرنٹ کے اخلاقی تصورات مردوں کے علاوہ عورتوں کے لیے بھی موثر ثابت ہوئے ؟

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ گو پارٹی خواتین کی آزادی کو بہت محدود کرنے کی حامی ہے، لیکن یونیورسٹی طالبات سمیت مخلص کارکن خواتین نے امدادی اداروں میں اور انتخابی مہم میں دل و جان سے لگ کر کام کیا۔ اس کی کیا توجیہہ کی جائے ؟ شاید یہ کہ انھیں پہلے ہی بہت آزادی حاصل نہ تھی۔ جب وہ گھر سے باہر نکلتی تھیں، تو خاندان اور معاشرہ کے دباؤ کے علاوہ انھیں سڑکوں پر بھی ناخوشگوار حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

اسلامی تحریک کے لوگوں نے ان سے کہا کہ وہ حجاب اختیار کریں۔ والدین اور شوہروں کا بھی یہ کہنا تھا، کہ اگر تم یہ نہیں اختیار کرو گی تو کام نہیں کرسکتیں۔ لیکن خواتین نے یہ اپنی خوشی سے کیا۔ جو خاتون حجاب اختیار کرتی ہے، وہ تحریک کے لیے نیکی، وقار اور آزادی کی علامت بن جاتی ہے۔ حجاب پہن کر وہ باہر جاتی ہے، تو اسے چھیڑ خانی کا شکار نہیں ہونا پڑتا۔ کھلی جگہوں پر بے کھٹکے آمدورفت ان کے لیے بڑی اہم ہے۔

دسمبر ۱۹۹۱ میں، انتخابی عمل کے خاتمہ کے بعد، تلمسان میں کیا حالات ہیں ؟

جس دن شاذلی بن جدید سے جبری استعفیٰ لیا گیا، اس سے اگلے ہی دن میں تلمسان میں تھی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے سیاسی زندگی ایک دم ٹھہر گئی ہے، جیسے آزادی کی سانس آتے آتے ایک دم رک گئی ہے۔ اسلامی تحریک کے لوگوں نے ناقابلِ یقین صبروتحمل کا مظاہرہ کیا، جو بعد میں ہونے والے کودیتا، فوجی قبضہ اور فرنٹ پر داروگیر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ پولیس اور فوج نے مسجدوں اور مقامی انجمنوں پر کڑی نظر رکھی۔ انھوں نے انھیں انتہا پسندی اور تشدد کی طرف دھکیل دیا۔ اب اسلامی فرنٹ قانونی طور پر موجود نہیں ہے۔ سالیڈیریٹی فرنٹ کے نام سے ایک دوسری پارٹی ہے۔ لیکن اس کی سرگرمیوں پر انتہائی کڑی نگرانی رکھی جاتی ہے۔

فرنٹ کا راستہ غیرجمہوری طریقوں سے روکنے سے فرنٹ کو یہ دعویٰ کرنے کا حق مل گیا کہ سرکاری پارٹی (ایف ایل این) کسی طرح بھی اقتدار چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

۱۹۸۹ میں قیام سے قبل، فرنٹ کی ساری سرگرمیاں زیرِزمین تھیں۔ ۱۹۸۹ میں یہ برسرِزمین آگیا۔ اب انھیں پھر زیرِزمین دھکیلا جارہا ہے، لیکن ان کی سرگرمیاں جاری ہیں۔

(مڈل ایسٹ رپورٹ، نومبر دسمبر ۱۹۹۳)

مستقبل کا منظر نامہ
تہذیبوں کا تصادم

سیموئیل پی ہنٹنگٹن

ترجمہ و تلخیص: مسلم سجاد

مستقبل میں ""اسلام اور مغرب" کے مسئلہ پر ایک سوچ اور پالیسی تو وہ ہے جس کا اظہار جنگ جُو اسلام' اسلام کا خنجر' اسلام کی تلوار' اور اسلام کا غیظ و غضب کے عنوانات سے شائع ہونے والی کتابوں اور مقالوں سے ہوتا ہے۔ ان میں اسلام اور مسلمانوں کو ننگی گالیاں ہیں' ان کے خلاف تعصب ہے' ان کے دین' تہذیب اور تاریخ کو مسخ کیا گیا ہے' بالکل جس طرح ۱۰۰۰ سال سے یورپ میں ہوتا رہا ہے۔
اسی سوچ اور پالیسی کا اظہار شائستگی اور متانت سے بھی کیا جا رہا ہے۔ اس میں گالیاں نہیں' تعصب نہیں' غیظ و غضب نہیں' غلط بیانی نہیں' لیکن بات وہی ہے' جو صحیح بھی ہے' کہ مستقبل میں اصل کشمکش اور تصادم اسلام اور مغرب کے درمیان ہونے والا ہے۔
اس سوچ اور انداز پر ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ہنٹنگٹن کا مقالہ **Clash of Civilizations** (تہذیبوں کا تصادم) مشہور امریکی سہ ماہی رسالہ فارن افیئرز **(Foreign Affairs)** کے ۱۹۹۳ کے شمارہ ۲۲' جلد ۷۲ میں شائع ہوا ہے' اور دنیا بھر میں نظروں کا مرکز اور بحث و تمحیص کا محور بن گیا ہے۔ یہ اعزاز کم مقالوں کو حاصل ہوتا ہے۔
احیاء اسلام کے لیے جدوجہد کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مستقبل کے بارہ میں مغرب کی سوچ' اندازوں اور پیش بینیوں سے پوری طرح واقف رہیں۔ اسی مقصد سے ہم اس مضمون کا ترجمہ شائع کر رہے ہیں۔ (خ۔م)

عالمی سیاست کا نیا انداز

عالمی سیاست ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے۔ مستقبل کا منظر نامہ کیا ہو گا؟ انسانی تاریخ کی تکمیل' قومی ریاستوں کے درمیان روایتی تنازعات کا اعادہ' یا قبائلی اور عالمی رجحانات کے متضاد اثرات کی وجہ سے قومی ریاست کا زوال؟ دانشور ہر طرح کے منظر کی تصویر پیش کر رہے ہیں۔ لیکن مستقبل کی عالمی سیاست کا ایک اہم فیصلہ کن عنصران کی نظروں سے اوجھل ہے۔

میرا نظریہ یہ ہے کہ اس نئی دنیا میں کشمکش و تصادم نظریاتی یا معاشی نہیں بلکہ تہذیبی و ثقافتی ہو گا۔ عالمی امور میں قومی ریاست طاقتور عامل ضرور رہے گی' لیکن کشمکشِ سیاست مختلف تہذیبوں اور قوموں کے گروہوں کے گرد گھومے گی۔ تہذیبوں کے درمیان خطوطِ انفصال (FaultLines) مستقبل کی جنگوں کے محاذ ہوں گے۔

۱۶۴۸ میں یورپ کی تیس سالہ مذہبی خانہ جنگی ختم ہوئی' اور ویسٹ فیلیا (Westphalia) کا صلح نامہ ایک نیا بین الاقوامی نظام جلو میں لایا۔ اس کے بعد ڈیڑھ سو برسوں میں لڑائیاں بادشاہوں کے درمیان ہوتی رہیں' جنھوں نے قومی ریاستوں کو جنم دیا۔ ۱۷۸۹ کے انقلابِ فرانس کے بعد جنگیں ان قومی ریاستوں کے درمیان رہیں۔ ۱۹۱۸ میں پہلی جنگ عظیم کے اختتام تک یہی صورتِ حال برقرار رہی۔ پھر انقلابِ روس کے بعد نظریاتی کشمکش کے دور کا آغاز ہوا۔ پہلے کیمونزم' فاشزم' نازی ازم اور لبرل جمہوریت کے درمیان' اور پھر کیمونزم اور لبرل جمہوریت کے درمیان سرد جنگ نے اس نظریاتی جنگ کو دو سپرپاورز کی جنگ بنا دیا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی یورپ کے روایتی مفہوم میں ایک قومی ریاست نہ تھی' بلکہ دونوں اپنی شناخت' اپنے نظریہ کے حوالے سے کرتے تھے۔

یہ تمام کشمکش اور جنگیں ایک مصنف کے مطابق "مغرب کی اپنی خانہ جنگیاں تھیں' جن کا باقی دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا"۔ سرد جنگ ہو' جنگِ عظیم اول و دوم ہوں' یا اس سے قبل کی سترہویں' اٹھارویں' انیسویں صدی کی جنگیں' سب اسی تعریف میں آتی ہیں۔ لیکن اب سرد جنگ کے خاتمہ سے عالمی سیاست مغربی دائرہ سے باہر نکل آئی ہے' اور اب اس کا مرکز مغرب اور غیر مغربی تہذیبوں کے مابین' اور ان تہذیبوں کے اپنے درمیان کشمکش ہو گی۔ تہذیبی سیاست کے اس دور میں اب یہ نہ ہو گا کہ غیر مغربی تہذیبوں کے عوام اور حکومتوں کا شمار تاریخ میں محض مغربی استعمار کے شکار کے طور پر ہو' بلکہ اب وہ مغرب کے ساتھ ساتھ تاریخ کی تشکیل کریں گے۔

تہذیبوں کی نوعیت

سرد جنگ کے دور میں دنیا کو پہلی' دوسری اور تیسری دنیا میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ لیکن اب

ملکوں کی گروہ بندی سیاسی یا معاشی نظاموں یا معاشی ترقی کے بجائے تہذیب و ثقافت کی بنیاد پر زیادہ بامعنی ہے۔

تہذیب سے ہماری کیا مراد ہے؟ ہر تہذیب ایک مکمل ثقافت کی حامل ہوتی ہے۔ دیہات' علاقہ' نسلی گروہ' قومی' مذہبی گروہ ہر ایک کی اپنی اپنی سطح پر اپنی ثقافت بھی ہوتی ہے۔ پنجاب کے کسی گاؤں کی ثقافت' سندھ کے کسی دیہات کی ثقافت سے مختلف ہوگی' لیکن ان کی ایک مشترک اسلامی پاکستانی ثقافت ہوگی' جو انھیں ہندوستان کے دیہاتوں کی ثقافت سے ممیز کرے گی۔ یورپی معاشروں کی مشترک ثقافت' چینی یا عرب معاشروں سے مختلف ہوگی۔ مگر عرب' چینی اور مغرب کے لوگ کسی وسیع تر ثقافت کے اجزا نہیں ہیں۔ اس لیے یہ دراصل تہذیب ہیں۔ تہذیب وسیع ترین ثقافتی اکائی ہے' اور اس میں شامل لوگوں کا وسیع ترین تشخص ہی ان کو دوسروں سے ممیز کرتا ہے۔ اس کی بنیاد ایک طرف زبان' تاریخ' مذہب' روایات' اور اداروں جیسے مشترک ظاہری عناصر پر ہوتی ہے' اور دوسری طرف اپنی شناخت کے بارہ میں خود لوگوں کے احساسات پر ہوتی ہے۔ تشخص کی سطحیں مختلف ہوتی ہیں۔ لاہور کا رہنے والا اپنے کو لاہوری' پنجابی' پاکستانی اور مسلمان کی حیثیت سے بیان کر سکتا ہے۔ لیکن تہذیب' تشخص کا وہ وسیع ترین پیمانہ ہے جس کے ذریعہ یہ سب سے زیادہ شدت سے اپنی شناخت محسوس کرتا ہے۔ لوگ اپنی شناخت تبدیل کر سکتے ہیں' اور کرتے ہیں' اس لیے تہذیبوں کے زیر اثر آبادیاں اور ان کی سرحدات تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔

تہذیبیں بہت بڑی آبادیوں پر مشتمل ہو سکتی ہیں' جیسے کہ چین ہے' جو ایک ریاست کا روپ بھی اختیار کیے ہوئے ہے۔ ایک تہذیب میں کئی قومی ریاستیں ہو سکتی ہیں' جیسے لاطینی امریکی' مغربی یا عرب تہذیب' یا صرف ایک ریاست بھی ہو سکتی ہے' جیسے جاپانی تہذیب۔ تہذیبیں آپس میں ملتی بھی ہیں' اور ان کی مزید تقسیم بھی ہو سکتی ہے' جیسے مغربی تہذیب کے دو بڑے اجزا' یورپی اور امریکی ہیں' یا اسلام کے عرب' ترک اور ملائی حصے ہیں۔ تہذیبیں متحرک ہوتی ہیں۔ انھیں عروج و زوال ہوتا ہے۔ یہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتی ہیں' متحد بھی ہوتی ہیں' اور جیسا کہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے' تہذیبیں وقت کی تہوں میں دفن ہو کر غائب بھی ہو جاتی ہیں۔

مغرب' عالمی امور میں اصل عامل قومی ریاستوں کو سمجھنے لگا ہے' لیکن یہ صورت صرف گزشتہ چند صدیوں سے ہے۔ وسیع تناظر میں انسانی تاریخ تہذیبوں کی تاریخ ہے۔ ٹائن بی نے "تاریخ کا مطالعہ" میں اکیس تہذیبوں کا ذکر کیا ہے' جن میں سے اب صرف ۶ موجود ہیں۔

تہذیبوں میں تصادم کیوں؟

مستقبل میں تہذیبی تشخص کی اہمیت میں برابر اضافہ ہوتا جائے گا اور دنیا کی صورت گری سات یا آٹھ تہذیبوں کے باہمی عمل سے ہوگی۔ یہ مغربی' چینی' جاپانی' اسلامی' ہندو' سلاوک' لاطینی امریکی اور شاید افریقی تہذیب ہوں۔ مستقبل کے بڑے تنازعات ان تہذیبوں کو علاحدہ کرنے والے ثقافتی خطوط انفصال پر واقع ہوں گے۔ ایسا کیوں ہو گا؟ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

بنیادی اختلافات

۱ - تہذیبوں کے درمیان اختلافات بنیادی ہیں۔ تاریخ' زبان' ثقافت' روایات اور سب سے اہم یہ کہ مذہب مختلف ہیں۔ مختلف تہذیبوں کے افراد' خدا اور انسان' فرد اور اجتماع' شہری اور ریاست' والدین اور اولاد اور شوہر اور بیوی کے درمیان تعلق کے بارہ میں ایک دوسرے سے مختلف نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ نیز فرائض اور حقوق' پابندی اور آزادی اور مساوات اور امتیاز کی باہمی اہمیت کے بارہ میں بھی یک رائے نہیں ہیں۔ یہ اختلافات صدیوں کی پیداوار ہیں' اور جلد ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ یہ اختلافات سیاسی نظریات اور سیاسی حکومتوں کے اختلافات سے کہیں زیادہ بنیادی ہیں۔ اختلافات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لازماً جھگڑا ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ اس میں تشدد ہو۔ لیکن گزشتہ صدیوں میں تہذیبی اختلافات ہی نے سب سے زیادہ طویل اور پر تشدد محاذ آرائی کو جنم دیا ہے۔

تہذیبی شعور کی بیداری

۲ - دنیا مختصر ہوتی جا رہی ہے۔ مختلف تہذیبوں کے افراد کو میل جول کے زیادہ مواقع مل رہے ہیں۔ اس سے اپنا تہذیبی شعور بھی بیدار ہوتا ہے' اور دوسری تہذیبوں سے اشتراک اور اختلافات کا احساس بھی جاگتا ہے۔ فرانس میں شمالی افریقہ سے آنے والوں نے فرانسیسیوں میں اپنے لیے دشمن پیدا کر لیے ہیں' لیکن پولینڈ کے کیتھولکس کو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ امریکہ میں کینیڈا اور یورپی ممالک کے مقابلہ میں جاپانی سرمایہ کاری کا زیادہ منفی ردِّعمل ہوتا ہے۔ غرض تہذیبی شعور کی بیداری سے ان اختلافات اور دشمنیوں میں اضافہ ہوتا ہے جن کے سرے ماضی بعید کی تاریخ میں ملتے ہیں۔

احیائے مذہب

۳ - پوری دنیا میں جاری معاشی ترقی اور معاشرتی تبدیلی کا عمل لوگوں کو ان کی اپنی قدیم

شناخت سے محروم کر رہا ہے۔ شناخت کے ایک محور کی حیثیت سے قومی ریاست بھی کمزور ہوئی ہے۔ اکثر اس خلا کو تہذیب نے ان تحریکوں کی شکل میں آگے بڑھ کر پُر کیا ہے' جن پر بنیاد پرست کا لیبل لگایا جاتا ہے۔ اس طرح کی تحریکیں مغربی عیسائیت' یہودیت' بدھ مت' ہندومت' اور اسلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان بنیاد پرست تحریکوں میں بالعموم جو لوگ سرگرم ہیں وہ نوجوان ہیں' کالجوں کے تعلیم یافتہ ہیں' متوسط درجہ کے ٹیکنیشن ہیں' پیشہ ور ماہرین ہیں اور بزنس مین ہیں۔ ایک مفکر جارج ویگل کے مطابق "یہ واضح ہے کہ بیسویں صدی کے اواخر کی ایک واضح حقیقت' دنیا میں سیکولرزم کے خاتمہ کا عمل ہے۔" گیلر کیپل کے مطابق "مذہب کے احیا نے شناخت اور تعلق کے لیے ایک قوم پرستی سے وسیع تر بنیاد فراہم کر دی ہے۔"

بنیادوں کی طرف رجوع

۴ - مغرب کا ایک دُہرا رول ہے جس نے تہذیبی شعور کی بیداری میں اضافہ کیا ہے۔ ایک طرف مغرب اپنے نصف النہار پر ہے۔ دوسری طرف' اور شاید مغرب کے اس عروج ہی کے نتیجے میں' غیر مغربی تہذیبوں نے اپنی بنیادوں کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا ہے۔ جاپان میں "ایشیائیت" ' انڈیا میں ہندو ہونے کا احساس' مشرقِ وسطٰی میں' قوم پرستی اور سوشلزم کے مغربی تصورات کی ناکامی کے بعد' اسلام کی طرف رجوع' اور اب یالسٹن کے روس میں مغربیت بمقابلہ روسی ہونے کی بحث' اس کا مظہر ہیں۔ کیونکہ آج کا مغرب پوری طاقت کے ساتھ غیر مغربی طاقتوں کے مقابلے پر ہے' اس لیے ان کے اندر دنیا کو غیر مغربی انداز میں ڈھالنے کے عزم اور وسائل میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ماضی میں غیر مغربی معاشروں میں قیادت کا مقام ان افراد کو حاصل رہا ہے جو آکسفورڈ' سینڈ ہرسٹ یا سوبورن کے تعلیم یافتہ تھے' اور اپنی زندگیوں میں مغربی انداز کا نمونہ تھے' جب کہ ان ممالک کے عوام اپنی ثقافت اور روایات کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اب صورت کچھ الٹ رہی ہے۔ کئی ملکوں میں قیادت مغربی اثرات سے آزاد اور مقامی تقاضوں کے مطابق تشکیل پا رہی ہے' جب کہ عوام میں مغربی بلکہ امریکی ثقافت' طور طریقے اور عادات کو قبولیت حاصل ہو رہی ہے۔

تہذیبی شناخت میں تبدیلی

۵ - سیاسی اور معاشی اختلافات طے پا سکتے ہیں' لیکن تہذیبی شناخت و امتیاز میں تبدیلی و مصالحت مشکل ہوتی ہے۔ کمیونسٹ جمہوریت پسند بن سکتے ہیں' امیر غریب اور غریب امیر ہو سکتے

ہیں۔ لیکن آذری آرمنی نہیں بن سکتے۔ مذہب کا اختلاف نسلی فرق سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ کوئی شخص نصف فرانسیسی اور نصف عرب ہو سکتا ہے' دو ملکوں کا بیک وقت شہری ہو سکتا ہے' لیکن نصف عیسائی اور نصف مسلمان نہیں بن سکتا۔ کالا گورا نہیں بن سکتا' لیکن کیتھولک' مسلمان بن سکتا ہے' اور ایشین' یورپی ثقافت کے رنگ میں رنگا جا سکتا ہے۔

معاشی علاقائی بلاک

۶ - معاشی بنیادوں پر علاقائیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ توقع ہے کہ مستقبل میں معاشی علاقائی بلاکوں کی اہمیت بڑھتی رہے گی۔ جہاں ان بلاکوں کی کامیابی سے تہذیبی شعور کو تقویت حاصل ہوگی' وہاں یہ کامیابی خود مشترک تہذیب سے تعلق کی مرہون منت ہوگی۔ اپنے علاقے میں چین نے ایک مضبوط معاشی طاقت کی حیثیت سے اپنا مقام بنا لیا ہے۔ یورپی براوری' یورپی ثقافت اور عیسائیت کے مشترک احساس پر مبنی ہے۔ ایکو کی اساس بھی وسط ایشیا کی ثقافت اور مذہب کے اشتراک پر ہے۔ اس میں ایران' پاکستان' ترکی' آذربائیجان' قازقستان' کرغزستان' ترکمانستان' تاجکستان' ازبکستان' افغانستان' اور دس غیر عرب مسلم ممالک شامل ہیں۔ اس بلاک کی تشکیل اور ترقی میں ان میں سے بعض ممالک کے لیڈروں کے اس احساس کو بھی دخل ہے کہ ان کے یورپی براوری میں داخلہ کا کوئی امکان نہیں ہے۔

ہم اور وہ

جب لوگ نسلی اور مذہبی شناخت کے حوالے سے سوچتے ہیں تو کچھ اپنے لگتے ہیں اور کچھ غیر۔ سوویت یونین اور مشرقی یورپ میں نظریاتی ریاستوں کے خاتمہ سے روایتی نسلی دوستیاں اور دشمنیاں ابھر کے سامنے آگئی ہیں۔ مذہب اور ثقافت میں اختلافات سے انسانی حقوق' تجارت اور ماحولیات سمیت ہر طرح کے مسائل پر پالیسی کا اختلاف رونما ہوتا ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ مغرب کی طرف سے جمہوریت اور لبرل ازم کو آفاقی اقدار کی حیثیت سے ترویج دینے' اپنی فوجی بالادستی کو برقرار رکھنے اور معاشی مفادات کو آگے بڑھانے کی کوششوں کے جواب میں دوسری تہذیبوں کے اندر مخالف ردِعمل پیدا ہوتا ہے۔ مستقبل کی تہذیبی کشمکش میں نظریہ کی اپیل کمزور ہونے کے بعد حکومتیں مشترک مذہب اور تہذیب کی بنیاد پر حمایت حاصل کرنے کی کوشش کریں گی۔

اس طرح' تہذیبوں کی کشمکش دو سطحوں پر جاری ہے۔ ایک طرف' چھوٹے پیمانہ پر' تہذیبوں

کے درمیان خطوطِ انفصال کے دونوں طرف کے گروہ ایک دوسرے پر' اور علاقوں پر' غلبہ کے لیے باقاعدہ جنگ کرتے ہیں۔ دوسری طرف' مختلف تہذیبوں کی نمائندہ ریاستیں زیادہ سے زیادہ سیاسی اور معاشی قوت حاصل کرنے' بین الاقوامی اداروں میں اپنا رسوخ بڑھانے' اور اس طرح اپنی سیاسی اور مذہبی اقتدار کو فروغ دینے کے لیے نبرد آزما رہتی ہیں۔

تہذیبوں کے درمیان خطوطِ انفصال

مغرب اور اسلام کی کشمکش

مغربی اور اسلامی تہذیبوں کے درمیان خطوط اتصال پر کشمکش ۱۳ سو سال سے جاری ہے۔ ۷۳۲ء میں مسلمانوں کے اسپین سے بڑھتے ہوئے قدم وسط فرانس میں طورز کے میدان پر رکے۔ ۱۱ ویں سے ۱۳ ویں صدی تک صلیبی جنگوں میں مقدس سرزمین پر عیسائی حکومت قائم کرنے میں عارضی کامیابی حاصل ہوئی۔ ۱۴ ویں سے ۱۷ ویں صدی میں عثمانی ترکوں نے صورت حال بدل دی۔ انھوں نے مشرقِ وسطیٰ اور بلقان تک اپنی سرحدیں وسیع کرلیں' قسطنطنیہ فتح کیا اور دو دفعہ وی آنا کا محاصرہ کیا۔ ۱۹ ویں اور ۲۰ ویں صدی میں عثمانی سلطنت کے زوال کے ساتھ برطانیہ' فرانس' اور اٹلی نے شمالی افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے بیشتر مسلمان علاقوں پر قبضہ کرلیا۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد' مغرب کے قدم واپس ہوئے۔ استعماری طاقتیں منظر سے ہٹ گئیں۔ عرب قومیت اور پھر اسلامی بنیاد پرستی کا ظہور ہوا۔ مغرب کا انحصار اپنی توانائی کی ضروریات کے لیے خلیج کے ممالک پر بڑھ گیا۔ تیل سے مالا مال ملک دولت مند بھی ہو گئے اور جس نے چاہا خوب اسلحہ بھی خرید لیا۔ عربوں اور اسرائیل کے درمیان مغرب کی پیدا کردہ کئی جنگیں ہوئیں۔ ۵۰ کے عشرے میں فرانس نے الجیریا میں نہایت خونیں جنگیں لڑیں۔ ۱۹۵۶ میں فرانس اور برطانیہ نے مصر پر حملہ کیا اور ایران سے کئی جھگڑے مول لیے۔ مشرقِ وسطیٰ کی کم سے کم تین ریاستوں کی حمایت سے عرب اور مسلمان دہشت گردوں نے کمزوروں کا اسلحہ استعمال کرتے ہوئے مغرب کے جہازوں اور اہم عمارات پر حملے کیے' اور مغربی افراد کو یرغمال بنایا۔ جب ۱۹۹۰ میں امریکہ نے کچھ عرب ملکوں پر کچھ دوسرے ملکوں کے حملہ کے بعد بہت بڑی فوج بھیجی تو مغرب اور عربوں کے درمیان یہ کشمکش ایک انجام کو پہنچی۔ اس کے نتیجے میں ناٹو کو بھی اب اپنے جنوب میں عدم استحکام اور ممکنہ خطرات کی فکر ہے۔

آئندہ امکانات

مغرب اور اسلام کے درمیان صدیوں پرانی اس لڑائی کے کم ہونے کے کوئی آثار نہیں ہیں۔

یہ زیادہ خطرناک ہو سکتی ہے۔ خلیج کی جنگ نے کچھ عربوں میں فخر کا جذبہ پیدا کیا کہ صدام حسین نے اسرائیل پر حملہ کیا اور مغرب کے مقابلے میں کھڑا ہوا۔ خلیج میں مغربی افواج کی موجودگی اور ان کی برتری پر' اور اپنی تقدیر خود بنانے پر قادر نہ ہونے کے احساس نے شکست اور ذلت کا احساس طاری کیا۔ بیشتر عرب ملکوں میں معاشی اور معاشرتی ترقی سے ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ شخصی حکومتیں مناسب حال نہیں رہی ہیں' اور جمہوری نظام کے لیے کوششیں طاقت پکڑ رہی ہیں۔ اس سے عربوں کے سیاسی نظام میں کچھ راستے کھلے ہیں۔ ان سے سب سے زیادہ فائدہ اسلامی تحریکوں کو پہنچا ہے۔ یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ عرب دنیا میں مغربی جمہوریت سے مغرب دشمن طاقتیں مضبوط ہوئی ہیں۔ یہ عارضی ہو سکتا ہے' لیکن اس سے مسلم حکومتوں اور مغرب کے درمیان تعلقات میں پیچیدگیاں پیدا ہوئی ہیں۔

ان پیچیدگیوں کا ایک دائرہ آبادیوں کی نقل و حرکت سے عبارت ہے۔ شمالی افریقہ میں آبادی میں غیر معمولی اضافہ کی وجہ سے مغربی یورپ میں وہاں سے آمد جاری ہے۔ اس کی بڑی سیاسی نزاکتیں ہیں۔ اٹلی' جرمنی اور فرانس میں نسلی تعصب بہت واضح ہے۔ ۱۹۹۰ کے بعد سے عربوں اور ترکوں کے خلاف نفرت اور تشدد میں واضح اضافہ ہوا ہے۔

اسلام اور مغرب کی اس کشمکش کو دونوں طرف تہذیبوں کا تصادم ہی قرار دیا جا رہا ہے۔ ایک ہندوستانی مسلمان مصنف اے جے اکبر لکھتا ہے' "مغرب کا اگلا معرکہ یقیناً مسلم دنیا سے ہوگا۔ شمالی افریقہ سے پاکستان تک پھیلی ہوئی مسلم مملکتوں میں ہی نیو ورلڈ آرڈر کے لیے جدوجہد کا آغاز ہوگا"۔

تاریخی طور پر عرب اسلامی تہذیب کا مخالفانہ ردِعمل جنوب کے لامذہب اور ملحد کالوں کے خلاف رہا ہے' جو اب بڑی تعداد میں عیسائی ہو رہے ہیں۔ ماضی میں غلاموں کے عرب تاجر اور کالے غلام اس کی علامت تھے۔ اب اس کا اظہار سوڈان میں عربوں اور کالوں کی مسلسل خانہ جنگی' چاڈ اور صومالیہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کی کشمکش' اور نائیجیریا میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان سیاسی کشمکش' فسادات اور تشدد کی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ افریقہ میں عیسائیت کی اشاعت اور جدید رجحانات کے فروغ سے اس کشمکش میں اضافہ ہی ہوگا۔

تہذیبوں کے اس تصادم کا ایشیا میں ایک مرکز اور ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی کشمکش' پاکستان اور ہندوستان کی باہمی دشمنی کے علاوہ' خود ہندوستان میں مسلم اقلیت کے خلاف ہندوؤں کے متشددانہ رویہ میں نظر آتی ہے۔ دسمبر ۱۹۹۲ میں بابری مسجد کی شہادت سے یہ مسئلہ سامنے آیا

ہے کہ آیا ہندوستان ایک سیکولر جمہوری ریاست رہے گا' یا ایک ہندو ریاست بن جائے گا۔

دوسری طرف چین اور امریکہ کے درمیان ایک نئی سرد جنگ کے آثار ہیں۔ اسی طرح جاپان اور امریکہ کے تعلقات میں ثقافتی اختلافات معاشی تنازعات کو سنگین بنا دیتے ہیں۔ امریکہ کی معاشی چشمک یورپ سے بھی ہے۔ لیکن وہاں اس کی اتنی سیاسی اور جذباتی اہمیت اس لیے نہیں ہے کہ ان کی تہذیب میں ایسا کوئی فرق نہیں جیسا کہ جاپانی اور امریکی تہذیب میں ہے۔

شدت میں فرق

تہذیبوں کے تصادم کی نوعیت میں اس لحاظ سے فرق ہوتا ہے کہ اس کے نتیجے میں تشدد اور خونریزی کس درجہ کی رونما ہوتی ہے۔ امریکہ' یورپ اور جاپان میں معاشی دوڑ کو غلبہ حاصل ہے' لیکن یوریشیا میں نسلی اختلافات کے نتیجے میں نسلی صفائی کے منظر بھی نظر آتے ہیں۔ یہ عموماً دو مختلف تہذیبوں کے درمیان ہوا ہے' ایک ہی تہذیب کے گروہوں کے درمیان نہیں۔ یوریشیا میں تہذیبوں کی سرحدات پر شعلے ہی شعلے ہیں۔ افریقہ سے وسط ایشیا تک مسلم ممالک کے ہلال شکل کے ابھار پر یہ بہت واضح ہیں۔ بلقان میں سربوں کے خلاف' اسرائیل میں یہودیوں کے خلاف' انڈیا میں ہندوؤں کے خلاف' برما میں بدھوں کے خلاف' فلپائن میں کیتھولکس کے خلاف' ہر جگہ مسلمانوں سے تصادم میں تشدد اور خونریزی ہے۔ اسلام کی سرحدات پر خون ہی خون ہے۔

(جاری ہے)

اسلام اور مغرب
برطانوی ولی عہد پرنس چارلس کا خطاب

یہ تقریر برطانوی ولی عہد' پرنس چارلس نے ستمبر ۱۹۹۳ میں آکسفورڈ کے مرکز برائے مطالعاتِ اسلامی میں کی۔ تقریر' یا اس کے حصے' بعض رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ہم اپنے قارئین کے لیے نیا اور صحیح تلخیص شدہ ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

عالمِ اسلام اور مغربی دنیا کے درمیان روابط آج جتنی اہمیت رکھتے ہیں' پہلے کبھی نہ رکھتے تھے۔ آج کی باہم منحصر دنیا میں دونوں کو ساتھ رہنے اور ساتھ کام کرنے کی ضرورت شدید ہے' لیکن دونوں کے درمیان سنگین غلط فہمیاں موجود ہیں' اور ان میں مسلسل اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ مغرب کی غلط فہمیوں کی وجہ اسلام اور مسلمانوں سے ناواقفیت نہیں۔ آخر مسلمان ہمارے ہی آس پاس رہتے ہیں' خود برطانیہ میں پانچ سو مسجدیں ہیں' اور ۱۹۷۶ کے "فیسٹیول آف اسلام" کی یادیں ابھی تازہ ہیں۔

نوّے کے عشرے میں' سرد جنگ کے بعد' امن کے امکانات اس صدی میں کسی دوسرے دور سے زیادہ ہونا چاہیے تھے۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ سابق یوگوسلاویہ میں' صومالیہ' انگولا اور سوڈان میں' اور سابق سوویت جمہوریتوں میں' نفرت اور تشدد نے لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ بوسنیا کے مسلمانوں پر خوفناک مظالم نے اس خوف اور بد اعتمادی کو نئی زندگی دی ہے جو ہماری دو دنیاؤں کے درمیان پہلے سے موجود ہیں۔

کشمکش اور تنازع کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کی بات نہ سمجھ پا رہے ہوں۔ ہمیں باہمی خوف اور انتشار کے ایک نئے دور میں محض اس لیے نہ داخل ہو جانا چاہیے کہ حکومتیں' عوام' مذاہب اور مختلف طبقات ایک سکڑتی ہوئی دنیا میں پُرامن زندگی گزارنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

مشترک امور

جو مشترک امور اسلام اور مغرب کو قریب کرتے ہیں، وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور ہیں جو دونوں کو دُور کرتے ہیں۔ مسلمان، عیسائی، اور یہودی اہلِ کتاب ہیں۔ اسلام اور عیسائیت ایک خدا پر، اس دنیاوی زندگی کے عارضی ہونے پر، اپنے اعمال کی جوابدہی پر اور اُخروی زندگی پر یقین رکھنے میں یکساں ہیں۔ احترامِ علم وعدل، محروموں سے حسنِ سلوک، اور خاندانی زندگی کی اہمیت ہماری مشترک اقدار ہیں۔ اپنی ماں اور اپنے باپ کی عزت کر، یہ قرآن کا بھی حکم ہے۔

تاریخ کا متضاد نقطۂ نظر

مسئلہ کی ایک جڑ یہ ہے کہ ہماری چودہ سو سال کی تاریخ باہمی کشمکش اور تصادم کی تاریخ ہے۔ اس نے خوف اور بداعتمادی کی ایسی روایت کو جنم دیا ہے کہ ہم تاریخ کو متضاد نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ مغرب کے سکول کے طالب علموں کے لیے صلیبی جنگوں کے دو سو برس اس دلیرانہ جدوجہد کی داستان ہیں، جو یورپ کے بچے بچے نے یروشلم کو "کافر" مسلمانوں سے آزاد کرانے کے لیے کی۔ لیکن مسلمانوں کے لیے صلیبی جنگیں مغرب کے "کافر" سپاہیوں کے ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ کی داستان ہیں، جس کی بدترین علامت وہ قتل و غارت ہے جو ۱۰۹۹ میں اسلام کے تیسرے مقدس ترین شہر کو واپس لیتے ہوئے صلیبیوں نے برپا کی۔ ہمارے لیے مغرب میں ۱۴۹۲ وہ اہم سال ہے، جب کولمبس نے امریکہ کی نئی دنیا دریافت کی۔ مسلمانوں کے لیے یہ ایک المیہ کا سال تھا، جب فرڈیننڈ اور ازابیلا کے آگے غرناطہ سرنگوں ہوا اور یورپ میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ تہذیب کا خاتمہ ہوا —— اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ سچ کیا ہے، بلکہ یہ ہے کہ دنیا، اس کی تاریخ اور اس میں اپنے کردار کے بارہ میں ہم دوسروں کا نقطۂ نظر نہیں سمجھ پاتے۔

اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم ماضی میں اسلام کو فاتح کی حیثیت سے ایک خطرہ سمجھتے رہے، اور اب جدید دور میں اسے عدمِ رواداری، انتہاپسندی اور تشدّد کا منبع تصور کرتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ۱۴۵۳ میں جب قسطنطنیہ سلطان محمد کے آگے سرنگوں ہو گیا، اور ۱۵۲۹ اور ۱۶۸۳ میں جب ترک وی آنا کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے، تو یورپ کے حکمرانوں پر کیوں لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ عثمانیوں کے دور میں بھی بلقان میں ظلم کی ایسی مثالیں سامنے آئیں جو مغرب کے شعور پر ثبت ہو گئیں۔ مگر یہ یکطرفہ نہ تھا۔ ۱۷۹۸ میں مصر پر نپولین کے حملہ، اور اس کے بعد انیسویں صدی کی فتوحات نے حالات کو پلٹ دیا، اور تقریباً تمام عرب دنیا مغربی طاقتوں کے استعمار کا شکار ہو گئی۔ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے ساتھ، اسلام پر یورپ کی فتح مکمل ہو گئی۔

مغرب کا نقطۂ نظر

فتوحات کا دور تو گزر گیا' لیکن اب بھی اسلام کے بارہ میں ہمارا رویہ درست نہیں ہوا ہے۔ ہماری نظروں میں جو اسلام ہے' یہ وہ ہے جسے انتہا پسندوں نے "اغوا" کیا ہوا ہے۔ مغرب میں ہم میں سے بیشتر اسلام کو لبنان کی خانہ جنگی اور شرق اوسط کے انتہا پسند گروہوں کی جانب سے قتل اور بم پھینکنے کی وارداتوں کے' جسے اب عام طور پر اسلامی بنیاد پرستی کہہ دیا جاتا ہے' آئینہ میں دیکھتے ہیں۔ غیر معمولی انتہاؤں کو معمول قرار دے کر ہم نے اسلام کے بارہ میں اپنی رائے کو مسخ کر دیا ہے۔ یہ بڑی سنگین غلطی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ہم برطانوی معاشرے میں قتل' عصمت دری' نشہ بازی اور بچوں پر ظلم کے واقعات سے یہاں کی زندگی کے بارہ میں رائے قائم کریں۔ انتہاؤں کا وجود کہاں نہیں ہوتا' لیکن اگر انھیں کسی معاشرے کے بارہ میں فیصلہ کرنے کی بنیاد بنا لیا جائے تو حقائق مسخ ہو جاتے ہیں۔

شرعی سزائیں

مثال کے طور پر' اس ملک میں اکثر لوگ کہتے ہیں کہ شرعی قوانین ظالمانہ ہیں اور ہمارے اخبارات بھی ان تعصبات کو بہت شوق سے آگے بڑھاتے ہیں۔ حقیقت یقیناً اس سے بہت مختلف ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہاتھ کاٹنے جیسے انتہائی اقدامات پر شاذ ہی عمل ہوتا ہے۔ اسلامی قانون کی روح اور راہنما اصول' اگر قرآن سے براہِ راست اخذ کیے جائیں تو ہمدردی اور انصاف ہونا چاہئیں۔ اپنا فیصلہ دینے سے پہلے ہمیں ان کے عملی نفاذ کی صورتِ حال کے بارہ میں بھی معلومات حاصل کرنا چاہئیں۔ اس وقت خود اسلامی دنیا میں زیرِ بحث ہے کہ اسلامی قانون کہاں تک آفاقی یا ابدی ہے' اور کہاں تک اس میں نفاذ کے حوالے سے تبدیلی اور ارتقا ہونا چاہیے۔ ہمیں اسلام اور بعض اسلامی ممالک کے رسوم و رواج میں بھی فرق کرنا چاہیے۔

عورت کا مقام

مغرب کا ایک واضح تعصب اسلامی معاشرہ میں خواتین کے مقام کے حوالے سے ہے۔ حالانکہ مصر' ترکی اور شام نے' سوئٹزرلینڈ سے بہت پہلے ہی عورتوں کو ووٹ کا حق دیا۔ ۱۴ سو سال پہلے قرآن نے خواتین کو جائداد' وراثت' تجارت اور طلاق کی صورت میں بعض تحفظات کے حقوق دیے' خواہ ان پر ہر جگہ عمل نہ کیا گیا ہو۔ برطانیہ میں یہ حقوق میری دادی اور ان کے اہلِ خاندان کے لیے بھی نئے تھے۔ خالدہ ضیا اور بے نظیر بھٹو' اپنے روایتی معاشروں میں' اس وقت

وزیراعظم بنیں جب برطانیہ کی تاریخ میں پہلی خاتون وزیراعظم کا انتخاب ہوا۔

اسلامی معاشرے میں عورت خودبخود دوسرے درجے کی شہری نہیں بن جاتی۔ بہت زیادہ قدامت پسند ملک میں عورت کے مقام کو دیکھ کر اسلامی معاشرہ میں اس کے مقام کا اندازہ نہیں لگانا چاہیے۔ پردہ کا رواج بھی تمام اسلامی ممالک میں نہیں ہے۔ مجھے یہ جان کر حیرانی ہوئی کہ پردہ کی ابتدا بازنطینی اور ساسانی ادوار میں ہوئی' پیغمبرِ اسلام کے دور سے نہیں۔ بعض مسلمان خواتین سرے سے پردہ نہیں کرتیں۔ بعض نے اسے ترک کر دیا ہے۔ حالیہ دور میں بعض نے' خصوصاً نوجوان نسل نے' پردہ اختیار کیا ہے تو اپنی اسلامی شناخت کے اظہار کے لیے۔

باہمی افہام و تفہیم

ہمیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ اسلامی دنیا ہمارے بارہ میں کیا رائے رکھتی ہے۔ اگر ہم یہ جاننے سے انکار کر دیں کہ اسلامی دنیا یورپ کی مادی ثقافت کو اپنی اقدار اور طرزِ حیات کے لیے خطرہ تصور کرتی ہے' تو اس سے ہمیں نقصان زیادہ اور فائدے کم ہوں گے۔ اسی طرح بعض اسلامی اقدار کے بارہ میں یورپی لوگوں کے ردِّعمل کا اسلامی دنیا میں سمجھا جانا ضروری ہے۔

بنیاد پرستی اور انتہا پسندی

ہمیں بنیاد پرستی کے لیبل کے بارہ میں بھی محتاط ہونا چاہیے۔ ہمیں احیائے اسلام کے ان علمبرداروں میں' جو اپنے مذہب پر مکمل طور پر عمل کرنا چاہتے ہیں' اور ان جنونی انتہا پسندوں میں فرق کرنا چاہیے جو اس تعلق کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ احیائے اسلام کو تحریک درحقیقت اس احساس سے ملی ہے کہ مغرب نے جو کچھ مادی حوالے سے دیا ہے وہ ناکافی ہے' اور حقیقی معنوں میں زندگی کو تسکین دراصل اسلامی عقیدہ ہی سے ملتی ہے۔

ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ انتہا پسندی کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ عیسائیت سمیت یہ دوسرے مذاہب میں بھی موجود ہے۔ مسلمانوں کی عظیم اکثریت' جو ذاتی طور پر نیک ہے' سیاست میں معتدل روش اختیار کرتی ہے۔ پیغمبرِ اسلام خود انتہاپسندی کو ناپسند کرتے تھے۔ یہ مذہب " اعتدال کا مذہب" ہے۔

مغربی تہذیب کی تعمیر میں اسلام کا حصہ

ہماری تہذیب اور تمدن پر اسلامی دنیا کے جو احسانات ہیں' ہم ان سے بڑی حد تک ناواقف ہیں۔ وسطِ ایشیا سے بحرِ اوقیانوس کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی اسلامی دنیا علم و دانش کا گہوارہ تھی۔

لیکن اسلام کو ایک دشمن مذہب اور اجنبی تہذیب قرار دینے کی وجہ سے ہمارے اندر اپنی تاریخ پر اس کے اثرات کو نظرانداز کرنے یا مٹانے کا رجحان رہا۔ ہم نے اسپین میں مسلمانوں کی ۸۰۰ برس کی تہذیب کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا۔ مغرب میں احیائے تہذیب کی تحریک پر مسلم اسپین نے گہرے اثرات ڈالے۔ یہاں علوم کی ترقی سے یورپ نے صدیوں بعد تک فائدہ اٹھایا۔

دسویں صدی میں قرطبہ یورپ کا مہذب ترین شہر تھا۔ حکمران کی لائبریری میں موجود چار لاکھ کتب' پورے یورپ کی لائبریریوں کی کتب کی تعداد سے زائد تھیں۔ یہ اس لیے ممکن ہوا کہ غیرمسلم یورپ سے چار سو سال پہلے مسلمانوں نے چین سے کاغذ بنانے کی مہارت حاصل کر لی تھی۔ جدید یورپ آج جن باتوں پر فخر کرتا ہے' اس نے مسلم اسپین سے حاصل کیں: سفارت کاری' آزاد تجارت' کھلی سرحدیں' علمی تحقیق کے طریقے' اینٹی کیٹ' فیشن' ہسپتال' ادویات' سب کچھ اس عظیم شہر سے ہی آتے تھے۔

اپنے وقت میں' اسلام رواداری کا مذہب تھا' جس نے یہودیوں اور عیسائیوں کو ان کے عقاید کے مطابق عمل کی آزادی دی' اور ایسی مثال پیش کی جس پر بدقسمتی سے کئی صدیوں تک یورپ عمل نہ کر سکا۔

یہ بات حیرت ناک ہے کہ اسلام کو یورپ میں ـــــ پہلے اسپین میں' اور پھر بلقان میں ـــــ اتنا طویل عرصہ دخل رہا۔ اس نے ہماری تہذیب کی تعمیر میں' جسے ہم اکثر غلطی سے صرف مغربی قرار دیتے ہیں' اپنا حصہ ادا کیا۔ دراصل اسلام ہمارے ماضی اور حال کا حصہ ہے' اس نے جدید یورپ کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ اسلام ہمارا ورثہ ہے۔

اسلام ہمیں کیا دے سکتا ہے؟

اس دنیا میں مل جل کر رہنے کے لیے اسلام کے دامن میں وہ کچھ ہے جو اب عیسائیت کے پاس نہیں ہے۔ اسلام کا کائنات اور انسان کا تصور ایک جامع' ہمہ گیر تصور ہے' جو زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ اسلام میں پوری زندگی ایک اکائی ہے' مغرب کی ساری ترقی یک رخی ہے۔ اگر ہم نے زندگی کے ہمہ جہتی انداز کو نہ سمجھا تو ہو سکتا ہے کہ ہم اس دھارے میں بہہ جائیں۔ جہاں ہمارا علم ہمیں محض کارِ جہاں سکھائے' اور ہم دنیا کے حسن اور توازن کو بگاڑ دیں۔ دنیا کے بارہ میں احساسِ مسئولیت اور اس کی نگرانی و بہبود کی ذمہ داری کا جو تصور اسلام نے دیا ہے' ہم مغرب میں اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ زندگی کے مادی اور روحانی پہلو میں جو توازن ہم کھو چکے ہیں' وہ ہمیں دوبارہ حاصل کرنا ہے۔ یہ نہ ہوا تو ہم تباہی تک پہنچ جائیں گے۔

آج کے عالمی مسائل اور باہمی تعاون کی ضرورت

آج ہم رسل و رسائل و ابلاغ کی ایک ایسی دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں' جس کا تصور بھی ہمارے آباواجداد نہ کر سکتے تھے۔ عالمی معیشت باہم منحصر ایک وحدت کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ معاشرہ کے مسائل' زندگی کا معیار' ماحول' یہ سب اپنے اسباب و نتائج کے حوالہ سے عالمی نوعیت اختیار کر چکے ہیں۔ ہم میں کوئی صرف خود انھیں حل نہیں کر سکتا۔ اسلامی اور مغربی دنیا کو مشترک مسائل کا سامنا ہے۔ ہم اپنے معاشروں میں آنے والی تبدیلیوں سے کس طرح اپنے آپ کو ہم آہنگ کرتے ہیں؟ ہم ان نوجوانوں کی کیا مدد کر سکتے ہیں جو معاشرہ کی اقدار اور والدین سے دور ہونے کا احساس رکھتے ہیں؟ ہم منشیات' ایڈز اور خاندانی نظام کے بکھر جانے کا کس طرح مقابلہ کرتے ہیں؟ ہمارے اندرون شہر کے مسائل قاہرہ اور دمشق کے مسائل کی طرح نہیں ہیں' لیکن انسانی تجربات میں مماثلت ضرور ہے۔ منشیات کا بین الاقوامی کاروبار' اور ماحول کو ہم جو نقصان پہنچا رہے ہیں' یہ بھی ہمارے مشترک مسائل ہیں۔

جس طرح بھی ہو' ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنا ہوگا۔ ہمیں اپنے بچوں کو درست تعلیم دینا ہو گی' تاکہ ان کا نقطۂ نظر اور سوچ ہم سے مختلف ہو' اور وہ ایک دوسرے کو سمجھیں۔

مشترک مسائل کے حل کے سلسلہ میں اسلامی اور مغربی دنیا ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے' اور نہ مناسب' کہ ماضی کی سیاست اور علاقائی تلخیوں کو دوبارہ زندہ کریں۔ ہمیں اپنے تجربات میں ایک دوسرے کو شریک کرنا ہوگا۔ باہم تبادلۂ خیال کرنا ہو گا۔ ثقافتی ورثہ میں جو کچھ مشترک ہے' اسے اپنانا ہوگا۔ ہمیں "تدبر" کی اہمیت کو محسوس کرنا ہو گا' تاکہ ہمارے ذہن کشادہ ہوں اور دلوں کے قفل بھی کھلیں۔

یقیناً عالم اسلام اور مغرب ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہیں۔ ضروری نہیں کہ ان میں تصادم ہو۔ اسلام اور مغرب ایک دوسرے کو بہت کچھ دے سکتے ہیں۔

ہم دونوں کو مل کر بہت کچھ کرنا ہے۔ باہمی نفرت کو ختم کرنے اور خوف و بداعتمادی کی لعنت کو دور کرنے کے لیے ابھی بہت کچھ کیا جانا ہے۔ ہم اس راہ پر جتنا آگے بڑھیں گے' آنے والی نسلوں کے لیے اتنی ہی بہتر دنیا بنا سکیں گے۔

کتاب نما

مترادفات القرآن: از: مولانا عبدالرحمن کیلانی۔ ملنے کے پتے: (۱) مکتبہ السلام' وسن پورہ' سٹریٹ نمبر ۲۰' لاہور۔ (۲) ادارہ مرآۃ القرآن والحدیث' ۲ شیش محل روڈ' لاہور۔ صفحات ۱۰۰۸' قیمت ۲۵۰ روپے۔

قرآن کے متعلق علوم کے مختلف دائروں میں قرونِ اولیٰ سے لے کر اب تک کام ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ کچھ علوم تو خود قرآن ہی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے۔ ہمارے اسلاف نے تفسیری' لغوی' حرفی و نحوی لحاظ سے بھی' قواعد و فصاحت و بلاغت کے قرآنی معیارات کے متعلق بھی' معانی و مطالب کی تصریف و تکرار کے پہلو سے بھی' اور ترتیب و نظم کے بارہ میں بھی' نیز قرآن کے احکام اور ان کو احادیث کی توضیحات کے ساتھ پیش کرنے کے لحاظ سے بھی ایسی گراں بہا خدمات امت کے لیے اپنے علمی ترکے میں چھوڑی ہیں کہ دورِ حاضر کا معزز لفظ "تحقیق" شرمسار ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر اخلاف کو بھی تا ایں دم اللہ نے قرآن کی علمی خدمات کے لیے بڑی توفیق دی ہے۔ "مترادفات القرآن مع فروق اللغویہ" اس سلسلے کی تازہ ترین کتاب ہے' جو مسرت کے ساتھ ساتھ تحیّر تک لے جاتی ہے۔ اس دورِ فتنہ والحاد میں' اس زمانہ فرنگ پرستی میں اللہ کا ایک فقیر منش بندہ ایک لمبے عرصے میں متذکرہ موضوع کے راستے پر خاموشی سے چلتا ہوا بہت سے موتی سمیٹ کے لایا ہے اور اب وہ ان موتیوں کو قدر شناسوں پر نچھاور کرکے خراجِ تحسین اور دعائے رحمت رب حاصل کر رہا ہے۔

یوں تو عمومی حد تک یہ مسئلہ ہر زبان میں پایا جاتا ہے کہ اس کے ہم معنی الفاظ (جو درحقیقت قریب المعنی ہوتے ہیں) کیا کیا ہیں' اور وہ بلحاظ معانی کیا فروق رکھتے ہیں۔ بعض اوقات یہ فرق بہت ہی لطیف اور عمیق نوعیت کا ہوتا ہے' لیکن عربی زبان اور خصوصاً قرآن کی استعمال کردہ عربی زبان میں جو بے شمار ہم معنی (قریب المعنی) الفاظ وارد ہوئے ہیں' ان کے متعلق یہ سوال بڑا اہم ہے کہ ان میں وجہ یکسانی اور وجہ تفاوت کیا ہے؟ کیونکہ قرآن کے صحیح ترجمہ و تفسیر

کے لیے یہ جاننا لازم ہے۔ ایسی چند کتابیں عربی زبان میں تھیں' مگر ان سے پورا مدعا حاصل نہیں ہوتا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک پاکستانی صاحب علم و ایمان نے اس موضوع پر نہایت جامع اور مفید تحقیقی کتاب کا تمغا اردو زبان کے سینے پر سجا دیا ہے۔ پیش لفظ پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیلانی صاحب نے اپنا سفر تجسس و تفکر کس طرح کیا ہے' نیز کتاب کے مندرجات کو سمجھنے کے لیے بہت اچھی کلیدی باتیں لکھی ہیں۔ بعض مترادف الفاظ' قرآن کریم میں بہ تعداد کثیر استعمال ہوئے ہیں' مثلاً: گرنا' گرانا کے لیے ۱۹ الفاظ' سامان کے لیے ۱۵ الفاظ' کم کرنا کے لیے ۱۴' ہلاک کرنے کے لیے ۱۳' کنارہ کے لیے ۱۳' زمین اور اس اقسام کے لیے ۲۱ ـــ کئی مزید مثالیں ہیں۔

مولانا عبدالرحمن کیلانی نے قرآن کے انداز میں اضداد کے استعمال سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یہ مضمون کچھ عرصہ میرے ذہن میں بھی رہا کہ قرآن نے شروع سے آخر تک تقابلی اندازِ بیان اختیار کیا ہے۔ نظریات' کرداروں' اصولوں' اعمال اور نتائجِ اعمال' قوموں اور گروہوں' جنگوں اور مظالم' احوال اور مناظر' خیر اور شر کے سلسلے میں اچھے اور برے نمونوں کو آمنے سامنے لا کر وہ اہلِ بصیرت کے سامنے متضاد امور بیان کرتا ہے' اور بالعموم دونوں طرف تقابلی انداز سے الفاظ ملا کر دو طرفہ فروق کو واضح کرتا ہے۔ مولانا کیلانی نے قرآن میں اضداوی الفاظ کے استعمالات سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ کتاب کا مرکزی خزانہ ۲ فہرستیں ہیں۔ ایک فہرست میں اردو عنوانات' بہ ترتیب حروفِ تہجی جمع کر کے ہر عنوان کے ساتھ قرآن میں مستعمل مترادف الفاظ کا ذکر ہے۔ اس میں ۷۳۷ عنوانات ہیں' جن کے تحت ۳۱۰۰ عربی مادے زیر بحث آئے ہیں۔ دوسری فہرست میں قرآن کے استعمال کردہ عربی زبان کے الفاظ اور مادوں کو حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ فلاں مادہ کون کون سے اردو عنوان کے تحت یا کسی ضمیمے میں درج ہے۔ جن الفاظ کا کوئی مترادف استعمال نہیں کیا گیا' ان کو بھی ہم نے سورۃ' آیت کا نمبر دے کر درج کر دیا ہے۔

مولف نے سچ کہا ہے کہ یہ کتاب قرآنِ کریم کی ایک مختصر اور جامع ڈکشنری کا کام دے سکتی ہے۔ فہرست اوّل میں سے دو مثالیں:

اوڑھنا (نمبر شمار ۴۵): استغشی' ادثر' ازمل۔

اونٹ: ابل' بعیر' جمل' ھیم' رکاب' ناقتہ' ضامر' عشار' بدن' بحیرہ' وصیلہ' سائبہ' حام۔

"م" کے تحت ملانا : خلط' الحق' وصل' الف' لبس' رکب' ضم' مشج' مزج' مرج' شاب' ضغث۔

دوسری فہرست سے ایک مثال:

پہلے ہی حرف عنوان "آ" کے نیچے عربی کے مادے اور محاورے۔

آباد ہونا' بسنا' رہنا' کے لیے عربی الفاظ سکن' تبوا' ثوی' بد ا' حضر' خلد' عاشو' غنی۔

اب آگے ان میں سے ان بنیادی الفاظ اور ان کے مشتقات (خصوصا استعمالات) کی تشریح درج ہے۔ اور جن آیات میں کسی لفظ یا اس کے مشتق کا استعمال کیا گیا ہے' وہ آیت مع حوالہ لکھی گئی ہے۔

آخر میں "ما حصل" کے عنوان سے تمام متذکرہ الفاظ کا' ان کے استعمالات کی روشنی میں' وہ مخصوص مفہوم لکھا گیا ہے جو ایک دوسرے کے فرق و امتیاز کو واضح کرتا ہے۔

یہ باب ص ۶۷ سے ۲۰۳ تک چلتا ہے۔

پھر چند بہت مفید ضمیمے ہیں۔ ضمیمہ نمبر ا میں تمام اسمائے معرفہ (انبیا و رسل' رجال' اماکن اور اسمائے اعداد اور اسمائے ضمیر و اسمائے اشارہ بھی) شامل ہیں۔ علاوہ ازیں عبادات اور شرعی اصطلاحات کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ ضمیمہ نمبر ۲ میں اسمائے نکرہ (متنوع عنوانات کے تحت جانوروں' پرندوں' نباتات' اجزائے بدن' ہتھیار' برتن' کپڑے وغیرہ کے عربی الفاظ) بھی اردو تشریح کے ساتھ مندرج ہیں۔ ضمیمہ نمبر ۳ لغت اضداد پر مشتمل ہے۔ ایک دوسرے سے تضاد رکھنے والے الفاظ سے بھی ان کا مفہوم زیادہ آسانی سے سمجھ میں آتا ہے۔ ضمیمہ نمبر ۴ میں ایک بہت اہم ضرورت' اردو دان سرسری عربی شناسوں کے لیے اور عربی زبان کے طلبہ کے لیے پوری کر دی گئی ہے' یعنی ماضی یا مضارع میں حرف عین میں حرکت کی تبدیلی سے معانی میں جو فرق پڑ جاتا ہے اسے نمایاں کیا گیا ہے۔ ضمیمہ نمبر ۵ میں بعض متفرقات کا تذکرہ ہے۔ اگلے ضمیموں میں الفاظ کے اضداد' غلط العام اور خاص الفاظ پر گفتگو کی گئی ہے۔

ایک فقیر آدمی بیس پچیس برس ایک مبارک مقصد کے لیے پختہ عزم اور صبرو ثبات کے ساتھ چلتا رہا اور آج ایک گراں بہا حاصل سفر' اہل ذوق کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے اور بھی متعدد دینی کتابیں لکھی ہیں' لیکن ان کے اس تازہ کارنامے نے تو گویا ان کتابوں ہی کو نہیں' اپنے دور کے لکھنے والوں کے ہجوم کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اللہ ان کی محنت قبول فرمائے اور ان کی کتاب کے قدردان پیدا کرے۔

(نعیم صدیقی)

وسطی ایشیا کے مسلمان (دو ماہی مجلہ): مدیر اعزازی: سفیر اختر۔ ناشر: انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، نصر چیمبر بلاک ۱۹، مرکز ایف سیون، اسلام آباد۔ صفحات ۳۲۔ قیمت فی شمارہ ۱۰ روپے۔ سالانہ ۵۰ روپے۔

اکثر اردو رسائل و مجلات کے "عمومی مزاج" کے برعکس زیر نظر دو ماہی مجلہ ایک مخصوص نوعیت کا حامل اور ایک موضوع تک محدود ہے، اور صوری و معنوی اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ سابق سوویت یونین کی چھ مسلمان ریاستوں کو، ستر سالہ روسی جبرواستبداد کی غلامی کے بعد، اب (جیسی اور جس حد تک بھی) آزادی ملی ہے، تو پورے عالم اسلام، خصوصاً پاکستان، افغانستان، ایران، ترکی، سعودی عرب میں "آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک" کے سے والہانہ انداز میں ان کا پرجوش استقبال کیا گیا ہے۔ یہ ریاستیں مسلم علوم و تہذیب کا گہوارہ رہی ہیں اور یہاں سے عالم اسلام کے نامور محدثین، علما، فقہا اور صلحا اٹھے۔ لیکن اب ان علاقوں اور ریاستوں میں، خصوصاً اسلام اور مسلمانوں کی ذہنی، تہذیبی، سماجی اور معاشی کیفیت کے حوالے سے، صورت حال کیا ہے؟ اس بارے میں اردو قارئین کی معلومات غایت درجہ محدود ہیں، مگر عام قارئین، طلبہ، اساتذہ، تاجر اور سیاست کار بھی اس بارے میں کچھ نہ کچھ جاننا چاہتے ہیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد نے زیر نظر رسالہ جاری کیا ہے۔

تاحال "وسطی ایشیا کے مسلمان" کے ۸ شمارے شائع ہوئے ہیں۔ اس کی ضخامت بظاہر کم معلوم ہوتی ہے (۳۲ صفحے)، مگر نستعلیق کی باریک کتابت میں، ہر شمارہ نہایت جامع، ٹھوس اور معلومات افزا مضامین و مباحث اور تبصروں کے ساتھ سامنے آرہا ہے۔ وسطی ایشیا کے سیاسی رجحانات، اسلامی تحریکیں، مقبوضہ مسلم ریاستوں کا ماضی، روس سے ان کے تعلقات، مسلم ممالک سے رابطوں کی نوعیت، علما و شخصیات، ماحولیاتی مسائل، قدرتی وسائل، موجودہ تہذیبی اور سیاسی کشمکش، دینی بیداری، تعلیمی ادارے، کتب خانے اور بحیثیت مجموعی ان نو آزاد ریاستوں کی تہذیب و تمدن، تاریخ و ثقافت اور معاشرت و معیشت کے بارے میں، ہر شمارے میں مفید اور مستند معلومات مہیا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض مضامین علمی اور تحقیقی نوعیت کے ہیں، جیسے علامہ موسیٰ جاراللہ، نو آزاد مسلم ریاستیں اور ایران، وسطی ایشیا اور علامہ اقبال وغیرہ — اور یہ سب ڈاکٹر اختر راہی کی تحقیق و تلاش کا نتیجہ ہیں — وسطی ایشیا کے موضوع پر مغربی دنیا میں شائع ہونے والی بعض مفید تحریروں کے تراجم بھی شامل ہیں۔ مزید برآں اس موضوع پر

انگریزی' عربی اور اردو مطبوعات پر تبصرے بھی کیے جاتے ہیں۔
اس طرح یہ مجلہ اپنے موضوع پر اردو دنیا کی ایک اہم علمی اور صحافتی ضرورت پوری کر رہا ہے۔ درحقیقت یہ تحقیقی اداروں اور یونیورسٹیوں کے کرنے کا کام تھا' جو ایک غیر سرکاری ادارہ انجام دے رہا ہے' اور اس میں بھی مجلّے کے فاضل اعزازی مدیر کی کاوش سب سے نمایاں ہے۔
بہتر ہو اگر کسی اندرونی صفحے پر وسطی ایشیا کا ایک ایسا نقشا دیا جائے' جس میں نو آزاد مسلم ریاستوں اور ان کے اہم شہروں کا محل و قوع دکھایا گیا ہو۔ قارئین کے ذہنوں میں ابھی ان کا جغرافیہ نہیں ہے' اس لیے ہر شمارے میں مجوزہ نقشا ان کے لیے مفید ہو گا۔
بہ لحاظ قیمت ارزاں اور بہ لحاظ معلومات و لوازمہ' یہ ایک معیاری مجلّہ ہے' جس کے ناشر اور مدیر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ (رفیع الدین ہاشمی)

صل علیٰ' صل علیٰ : مرتبین : محمد جاوید اقبال' تابش مہدی۔ ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی' دہلی۔ صفحات ۱۱۲ ۔ قیمت ۱۵ روپے۔

گزشتہ دو تین عشروں سے نعت گوئی کی طرف مراجعت' اردو شاعری کا ایک خوش آیند اور فطری رجحان ہے۔ اس کے نتیجے میں بکثرت نعتیہ مجموعے نکلے ہیں' اور اردو کا کوئی بھی ادبی پرچہ' خواہ اس کا تعلق کسی بھی مکتب فکر یا دھڑے سے ہو' معروف و غیر معروف شاعروں کی تازہ بتازہ نعتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ نعتوں کے انتخابی مجموعے بھی اس سلسلے کی کڑی ہیں۔
منتخب نعتوں کا زیرِ نظر مجموعہ "فکر و عقیدے کی طہارت" مقصد کی رفعت اور فنی اور لسانی قدروں کو خصوصیت کے ساتھ پیش نظر" رکھتے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔ ۳۹ نعتوں میں خیالات و زاویۂ نظر کے ساتھ' ہیئت کا تنوع بھی موجود ہے۔ ۲' ۳ کے سوا باقی سب شعرا کا تعلق بھارت سے ہے۔ ابتدا میں نعت نگاروں کا دو دو چار چار سطری تعارف کرایا گیا ہے۔ کتابت و طباعت معیاری ہے اور قیمت مناسب ــــ امید ہے یہ مجموعہ نعت دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔
(رفیع الدین ہاشمی)

دام ہم رنگِ زمیں : از : عنصر صابری۔ ناشر: پروگریسو بکس' ۴۰ بی اردو بازار' لاہور۔ صفحات ۲۶۲۔ قیمت مجلد ۵۰ روپے۔ غیر مجلد ۳۶ روپے۔

دنیا کے سارے حالات و واقعات کو صرف یہودی سازش کی عینک سے دیکھنے کا رجحان ہمارے

ملک میں مصباح الاسلام فاروقی صاحب مرحوم کی "جیوش کانسپیریسی" کی اشاعت سے شروع ہوا۔ زیر نظر کتاب میں ۳۳ ویں درجے کے یہودی زعما کے ۲۴ پروٹوکول کا ترجمہ دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اردو ڈائجسٹ کو دیا گیا مولانا ظفراحمد انصاری مرحوم کا ایک انٹرویو بھی شاملِ اشاعت ہے۔ مرتب نے "پس چہ باید کرد" کے عنوان سے سازش کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ تدابیر بھی تجویز کی ہیں۔ پروٹوکول کی اشاعت تو اسی لیے کی جاتی ہو گی کہ ہم غیر یہودیوں کو ان کی سازشوں سے آگاہ کیا جائے' اور ہم ان کا مقابلہ کر سکیں۔ لیکن سازش کی کامیابی اور اس کا شکار ہونے والوں کی بے بسی کا نقشا کچھ ایسا مایوس کن پیش ہوتا ہے کہ خیال آتا ہے' یہ نقشا بھی کسی یہودی سازش کا نتیجہ تو نہیں! (مسلم سجاد)

سوانح چودھری غلام محمدؒ: مرتبہ: محمد موسیٰ بھٹو۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی' ۳۵ - ڈی' بلاک ۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی ۷۵۹۵۰۔ صفحات ۳۳۵۔ قیمت درج نہیں۔

پاکستان اور بیرونِ پاکستان کے تحریکی حلقوں کے لیے چودھری غلام محمد مرحوم کا نام ایک خوشگوار یاد ہے۔ ۳۳ تحریروں کا یہ مرقع ہر زاویہ سے ان کی زندگی پر روشنی ڈالتا ہے' اور ایک ہمہ جہتی شخصیت جیسے آنکھوں کے سامنے چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ اور ان کی صلاحیت کی ہر رمق تحریکِ اسلامی کے مقاصد کے لیے وقف تھی۔ ان کے شروع کیے ہوئے منصوبے آج پاکستان' افریقہ' برطانیہ' بنگلا دیش اور معلوم نہیں کہاں کہاں برگ و بار لا رہے ہیں' اور یقیناً ان کے درجات میں اضافے کا سبب ہیں۔ یہ مجموعہ دس سال بعد دوبارہ شائع ہوا ہے۔ اچھا ہوتا کہ اس دوران چودھری صاحب کے بارے میں شائع ہونے والی مزید تحریرات بھی شامل کرلی جاتیں۔ بہرحال' تحریکِ اسلامی کے قائدین اور کارکنوں کی نئی نسل کے لیے ۲۳ برس قبل رخصت ہو جانے والے ایک قائد' لیکن دراصل کارکن' کی سیرت کا یہ نمونہ بہت کچھ سبق رکھتا ہے۔ (مسلم سجاد)

وضاحت

۱- ترجمان میں ترجیحاً" دینی اور علمی کتابوں پر تبصرے شائع کیے جاتے ہیں۔
۲- تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں
۳- تبصرے کے لیے مطبوعات براہ راست: مدیر "ترجمان القرآن" منصورہ' لاہور۔ ۵۴۵۷۰ کو بھیجی جائیں۔

REGD. NO. L 5340

PHONE : 7234014
7236665

MONTHLY TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE